الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خان

ترقی کا زینہ صرف آدمی کی اپنی محنت ہے
مگر بہت سے لوگ دوسروں کی بربادی کو
اپنی ترقی کا سب سے قریبی زینہ سمجھ لیتے ہیں

شمارہ ۴۵
اگست ۱۹۸۰

زر تعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

الرسالہ

اگست ۱۹۸۰

شمارہ ۴۵

جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ، دھلی ۶ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ صرف ایک ماہانہ پرچہ نہیں، وہ ایک دینی اور تعمیری مشن ہے۔ اس کا حق اس طرح ادا نہیں ہوتا کہ آپ اس کو پڑھ لیں یا ڈاک کے ذریعہ ہمارے نام ایک تعریفی خط بھیج دیں۔ آپ کے اوپر اس کا حق کم سے کم یہ ہے کہ آپ اس کی ایجنسی لیں اور اپنے حلقہ میں اس کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ ہر مشن کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اس میں شریک کرے ——— ایجنسی، اس مشن میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی سب سے زیادہ آسان صورت ہے۔ الرسالہ کی ایجنسی لیجئے، مستقبل کی بننے والی فہرست میں اپنا نام درج کرائیے۔

الرسالہ کے لئے بنک سے رقم بھیجتے ہوئے ڈرافٹ پر صرف الرسالہ منتھلی Al-Risala Monthly لکھیں

سنت رسول

لا زلتم منصورین علی اعدائکم ما دمتم متمسکین بسنتی فان خرجتم عن سنتی سلط اللہ علیکم من لا یخافکم ولا یرحمکم حتی تعودوا الی سنتی (رواہ مسلم)

تم اپنے دشمنوں پر اس وقت تک غالب رہو گے جب تک میری سنت کو پکڑے رہو گے۔ اور جب تم میری سنت سے نکل جاؤ گے تو اللہ تمہارے اوپر ایسے کو مسلط کر دے گا جو نہ تم سے ڈرے گا اور نہ تم پر رحم کرے گا، یہاں تک کہ تم میری سنت کی طرف لوٹ آؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین چھوڑا ہے اس میں کوئی کمی نہیں جس کو کوئی پورا کرے۔ اس میں کوئی زیادتی نہیں جس کو کوئی اس سے دور کرے۔ یہ پوری طرح ایک کامل دین ہے۔ ہماری کامیابی کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم اس کی اسی طرح پیروی کریں جیسا کہ وہ ہے، اگر ہم نے اس میں کمی بیشی کی کوشش کی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ باہمی اختلاف اور تصادم شروع ہو جائے گا۔ اور باہمی اختلاف ہی کا دوسرا نام کمزوری اور مغلوبیت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کچھ عقائد سکھائے ہیں ـــــ خدا ایک ہے۔ مرنے کے بعد جنت اور دوزخ ہے۔ نبیوں پر خدا اپنے فرشتے کے ذریعہ اپنا کلام بھیجتا ہے، وغیرہ۔ ان عقائد کو ہمیں اسی طرح ماننا ہے جس طرح وہ قرآن اور حدیث میں آئے ہیں۔ اگر ہم اپنی طرف سے موشگافیاں کریں اور نئی نئی کلامی بحثیں چھیڑیں تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ مختلف لوگ مختلف باتیں نکالیں گے۔ رایوں کا اختلاف امت کے افراد کو ایک دوسرے سے ٹکرا دے گا۔ اسی طرح عبادت کے سلسلے میں آپ نے کچھ احکام بتائے اور ان کو کر کے دکھا دیا۔ اب ہمیں چاہئے کہ ان کو جیسا ہے ویسا ہی پکڑ لیں۔ اگر ہم نے عبادت میں نئے مسائل اور نئے طریقے نکالے تو اس کا لازمی نتیجہ فرقہ بندی ہوگا جو بالآخر امت کی کمزوری کا باعث بنے گا۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تکلیف پہنچے تو آپ نے بتایا کہ صبر کرو اور اپنے بھائی کو معاف کر دو۔ اب اگر ایسے موقع پر ایک آدمی دوسرے آدمی سے بدلہ لینے اور اس کو اس کے کئے کا مزہ چکھانے کے لئے کھڑا ہو جائے تو اس سے آپس کا ٹکراؤ وجود میں آئے گا اور بالآخر ساری امت کو کمزور کر دے گا۔ حکومت کے معاملات میں آپ نے یہ تعلیم دی کہ منصب کی خواہش نہ کرو۔ اب اگر لوگ عہدہ اور منصب کی خواہش کرنے لگیں تو باہمی رقابت اور دشمنی پیدا ہوگی۔ ملت کے اندر مختلف جتھے بن کر ایک دوسرے سے لڑنے لگیں گے۔ ملت خود اپنے افراد کے ہاتھوں برباد کی جانے لگے گی۔ آپ نے یہ تعلیم دی کہ دنیا کو غیر اہم سمجھو اور ساری توجہ آخرت کی طرف لگاؤ۔ اب اگر امت کے لوگ دنیا کی چیزوں کو اپنا مقصود سمجھ لیں تو ایک چیز کے کئی کئی امیدوار بنیں گے اور اس کے حصول کے لئے باہم لڑنا شروع کر دیں گے۔ اس کے نتیجہ میں پورا مسلم معاشرہ حسد، بغض، نفرت اور انتقام کی آگ میں جل اٹھے گا۔

جنّت کس کے لئے

جنت کا داخلہ صرف اس کے لئے لکھا گیا ہے جس نے ہر دوسری عظمت کی نفی کرکے ایک ایک خدا کی عظمت کو پایا ہو، جس نے اپنے سینہ کو ہر دوسری محبت سے خالی کرکے اس میں صرف خدا کی محبت کو جگہ دی ہو۔ جب کسی سے کوئی اختلافی معاملہ پڑتا ہے اور آدمی انصاف کو چھوڑ کر بے انصافی کا رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے لئے جنت میں بسائے جانے کا استحقاق کھو دیتا ہے۔ کیونکہ جنت انصاف پسندوں کی بستی ہے نہ کہ بے انصافوں کی سرائے۔ جب کسی سے شکایت پیدا ہونے کے موقع پر آدمی کبر اور سرکشی کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ جنت کی دنیا میں بسائے جانے کے قابل نہیں۔ کیونکہ جنت متواضعین کے لئے ہے نہ کہ متکبرین کے لئے۔ جب کسی سے ان بن ہونے پر آدمی اس کی بربادی کے منصوبے بناتا ہے تو وہ اپنے آپ کو جنت کا نااہل ثابت کر دیتا ہے۔ کیونکہ جنت ان اونچے انسانوں کی بستی ہے جو ایک دوسرے کی عزت کرنے والے ہوں نہ کہ ایک دوسرے کی کاٹ کرنے والے۔ کسی غیر خدا پر تنقید سن کر جب آدمی کے عقیدت و محبت کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں تو وہ ثابت کرتا ہے کہ وہ جنت کی دنیا میں بسائے جانے کے قابل نہیں۔ کیونکہ جنت تو ان پاکیزہ روحوں کی کالونی ہے جو خدا کی محبت و عقیدت میں جیتے ہوں نہ کہ انسانوں میں سے کسی انسان کی عقیدت و محبت میں۔ جب آدمی اپنی تعریف سن کر لذت لیتا ہے اور اپنی عزت و شہرت کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے تو وہ جنت کی شہریت کو کھو دیتا ہے کیونکہ جنت ان بے نفس لوگوں کے لئے ہے جو صرف اللہ کی تعریف پر خوش ہوں اور اللہ کی کبریائی کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہوں۔ جب آدمی کے سامنے سچائی آئے اور وہ اس کے ساتھ اندھے پن کا معاملہ کرے تو وہ جنت میں بسائے جانے کا استحقاق کھو دیتا ہے۔ کیونکہ جنت تو ان لوگوں کا مقام ہے جو اپنے آپ کو حق کے ساتھ اس طرح شامل کرلیں کہ حق کو ہمیشہ حق کی صورت میں دیکھیں اور باطل کو ہمیشہ باطل کی صورت میں۔

انسانوں کی تین قسمیں

ایمان و اسلام کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرتا ہو۔ وہ اپنے معاملات میں اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ وہ اس طرح زندگی گزارے گویا وہ اپنے آپ پر خدا کی نگرانی قائم کئے ہوئے ہے۔ وہ خدا کو نہ دیکھتے ہوئے بھی تمام دکھائی دینے والی طاقتوں سے زیادہ اس کا اندیشہ رکھتا ہو۔ وہ خدا کے پاس ایسا دل لے کر پہنچے جو دنیا کی زندگی میں ہمیشہ خدا کی طرف متوجہ رہا ہو۔ یہی اللہ کے مطلوب اور محبوب بندے ہیں۔ جب اللہ کی خاطر وہ دنیا کا دکھ اٹھا کر آخرت میں پہنچیں گے تو ان کا رب ان کو نہال کر دے گا۔ وہ ان سے کہے گا کہ ہرے بھرے باغوں والے جنتی مکانات میں داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ وہاں رہو۔ یہاں تمھارے لئے وہ سب کچھ ہے جو تم چاہو۔ اور ہمارے اتھاہ انعامات اس کے علاوہ ہیں۔ (ق ۳۵-۳۱)

دوسرے لوگ وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور عمل صالح کیا۔ تاہم ان سے کوتاہیاں بھی ہوئیں۔ ان کے ٹھیک کام میں غلط کام بھی شامل ہوتا رہا۔ مگر اس کمزوری کے باوجود وہ ڈھیٹ نہیں بنے۔ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اللہ سے معافی مانگتے رہے اور بار بار اس کی طرف پلٹنے کی کوشش کرتے رہے۔ امید ہے کہ اللہ ان کو بھی اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے گا۔ وہ جب خدا کی طرف لوٹے تو خدا بھی ان کی طرف لوٹے گا۔ کیوں کہ وہ بخشنے والا مہربان ہے (توبہ ۱۰۲)

اس کے بعد تیسرا گروہ وہ ہے جس نے نفس پرستی، دنیا طلبی اور گھمنڈ کو اپنا دین بنایا۔ انھوں نے اپنی زبان اللہ کے لئے بند نہیں کی۔ ان کے قدم اللہ کے لئے نہیں رکے۔ ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے لئے نہیں جئے بلکہ اپنے لئے جئے۔ انھوں نے آخرت کی فکر نہیں کی بلکہ دنیا کی فکر کی۔ ایسی حالت میں کیسے ممکن ہے کہ وہ خدا کی ابدی دنیا میں عزت کا مقام حاصل کر سکیں (ہود ۱۶-۱۵)

خدا کی موجودگی کا تجربہ

اپالو ۱۵ میں امریکہ کے جو تین خلاباز چاند پر گئے تھے، ان میں سے ایک کرنل جیمز اردن (James Irwin) تھے۔ انھوں نے ایک انٹرویو میں کہا کہ اگست ۱۹۷۲ کا وہ لمحہ میرے لئے بڑا عجیب تھا جب میں نے چاند کی سطح پر قدم رکھا۔ میں نے وہاں خدا کی موجودگی (God's Presence) کو محسوس کیا۔ انھوں نے کہا کہ میری روح پر اس وقت وجدانی کیفیت طاری تھی اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے خدا بہت قریب ہو۔ خدا کی عظمت مجھے اپنی آنکھوں سے نظر آرہی تھی۔ چاند کا سفر میرے لئے صرف ایک سائنسی سفر نہیں تھا بلکہ اس سے مجھے روحانی زندگی نصیب ہوئی (ٹریبون ۲۷ اکتوبر ۱۹۷۲)

کرنل جیمز اردن کا یہ تجربہ کوئی انوکھا تجربہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ اتنا حیرتناک ہے کہ اس کو دیکھ کر آدمی خالق کی صناعیوں میں ڈوب جائے۔ تخلیق کے کمال میں ہر آن خالق کا چہرہ جھلک رہا ہے۔ مگر ہمارے گرد و پیش جو دنیا ہے اس کو ہم بچپن سے دیکھتے دیکھتے عادی ہو جاتے ہیں۔ اس سے ہم اتنا مانوس ہو جاتے ہیں کہ اس کے انوکھے پن کا ہم کو احساس نہیں ہوتا۔ ہوا اور پانی اور درخت اور چڑیا غرض جو کچھ بھی ہماری دنیا میں ہے سب کا سب حد درجہ عجیب ہے، ہر چیز اپنے خالق کا آئینہ ہے۔ مگر عادی ہونے کی وجہ سے ہم اس کے عجوبہ پن کو محسوس نہیں کر پاتے۔ مگر ایک شخص جب اچانک چاند کے اوپر اترا اور پہلی بار وہاں کے تخلیقی منظر کو دیکھا تو وہ اس کے خالق کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے تخلیق کے کارنامہ میں اس کے خالق کو موجود پایا۔ ہماری موجودہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں یہاں بھی "خدا کی موجودگی" کا تجربہ اسی طرح ہو سکتا ہے جس طرح چاند پر پہنچ کر کرنل اردن کو ہوا۔ مگر لوگ موجودہ دنیا کو اس استعجابی نگاہ سے نہیں دیکھ پاتے جس طرح چاند کا ایک نیا مسافر چاند کو دیکھتا ہے۔ اگر ہم اپنی دنیا کو اس نظر سے دیکھنے لگیں تو ہر وقت ہم کو اپنے پاس "خدا کی موجودگی" کا تجربہ ہو۔ ہم اس طرح رہنے لگیں جیسے کہ ہم خدا کے پڑوس میں رہ رہے ہیں اور ہر وقت وہ ہماری نظروں کے سامنے ہے۔

اگر ہم ایک اعلیٰ درجہ کی مشین کو پہلی بار دیکھیں تو فی الفور ہم اس کے ماہر انجینیر کی موجودگی کو وہاں محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم دنیا کو اور اس کی چیزوں کو گہرائی کے ساتھ دیکھ سکیں تو اسی وقت ہم وہاں خدا کی موجودگی کو پالیں گے۔ خالق ہم کو اس طرح نظر آئے گا کہ ہم خالق اور تخلیق کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکیں۔

موجودہ دنیا میں انسان کی سب سے بڑی یافت یہ ہے کہ وہ خدا کو دیکھنے لگے، وہ اپنے پاس خدا کی موجودگی کو محسوس کرلے۔ اگر آدمی کا احساس زندہ ہو تو سورج کی سنہری کرنوں میں اس کو خدا کا نور جگمگاتا ہوا دکھائی دے گا ہرے بھرے درختوں کے حسین منظر میں وہ خدا کا روپ جھلکتا ہوا پائے گا۔ ہواؤں کے لطیف جھونکے میں اس کو لمسِ ربانی کا تجربہ ہوگا۔ اپنی ہتھیلی اور اپنی پیشانی کو زمین پر رکھتے ہوئے اس کو ایسا محسوس ہوگا گویا اس نے اپنا وجود اپنے رب کے قدموں میں ڈال دیا ہے۔ خدا ہر جگہ موجود ہے بشرطیکہ دیکھنے والی نگاہ آدمی کو حاصل ہو جائے۔

غلطی کرکے پلٹنا

ایک مسافر کو کلکتہ جانا ہے، وہ ایک ٹرین میں سوار ہوتا ہے۔ مگر روانگی کے بعد اس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جس گاڑی میں بیٹھا ہوا ہے وہ امرت سر جانے والی گاڑی ہے۔ ایسے مسافر کا حال کیا ہوگا۔ وہ اپنی غلطی پر تڑپ اٹھے گا۔ جس سیٹ پر وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا وہ اس کو کاٹنے لگے گی۔ اگلے اسٹیشن پر جیسے ہی گاڑی رکے گی وہ فوراً اتر پڑے گا تاکہ واپس جاکر اپنی مطلوبہ گاڑی پکڑ سکے۔

ٹرین کا ایک مسافر جس طرح فوراً اپنی غلطی کو مان کر پلٹ پڑتا ہے وہی حال مومن کا آخرت کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ اس سے جب کوئی ایسی غلطی ہو جاتی ہے جو آخرت کے رخ سے بے رخ کرنے والی ہو، جو اس کو اگلی زندگی میں نقصان پہنچانے والی ہو تو وہ بے حد شرمندہ ہوتا ہے اس کو اپنی غلطی ماننے میں دیر نہیں لگتی۔ وہ غلط سمت سے لوٹ کر فوراً صحیح سمت میں چلنے لگتا ہے۔

مومن وہی ہے جو غلطی کرکے پلٹ آئے۔ جو غصہ ہونے کے بعد معاف کر دے۔ عزت کا سوال جس کو اعتراف سے روکنے والا ثابت نہ ہو۔ اس کے برعکس جس کا حال یہ ہو کہ وہ غلطیوں میں لپٹا رہے۔ کسی سے ایک بار رنجش ہو جائے تو اس کو معاف کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ جو کسی حال میں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا اقرار نہ کرے۔ ایسا شخص اللہ کی نظر میں مومن نہیں ہے، خواہ وہ اپنے کو کتنا ہی بڑا مسلمان سمجھتا ہو، خواہ اس نے ایمان و اسلام کے کتنے ہی تمغے اپنے اوپر لگا رکھے ہوں۔ موجودہ دنیا میں آدمی اپنی غلطی کو ماننا نہ چاہے تو اس کو اپنی غلطی کی تاویل کے لئے بہت سے الفاظ مل جاتے ہیں۔ کسی کے لئے اس کی دنیوی شان و شوکت اس کی برائیوں کا پردہ بن جاتی ہے۔ مگر آخرت میں کوئی چیز کسی کے کام نہ آئے گی۔ وہاں حقیقتیں اس طرح کھل جائیں گی کہ اندھے بھی اس کو دیکھنے لگیں۔

استاد کے بغیر

ایک خاتون نے انگریزی پڑھی۔ ان کے والد مولوی تھے۔ ان کے گھر پر انگریزی کا ماحول نہ تھا۔ چنانچہ ایم۔ اے (انگلش) انھوں نے مشکل تھرڈ نمبروں سے پاس کیا۔ ان کو شوق تھا کہ ان کو انگریزی لکھنا آجائے۔ یہ کام ایک اچھے استاد کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن ان کے گھر کے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ کوئی استاد رکھیں اور اس کی مدد سے اپنے اندر انگریزی لکھنے کی صلاحیت پیدا کریں۔

مگر جہاں تمام راستے بند ہوتے ہیں وہاں بھی ایک راستہ آدمی کے لئے کھلا ہوتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ آدمی کے اندر طلب ہو اور وہ اپنے مقصد کے حصول میں اپنی پوری طاقت لگا دے۔ خاتون نے استاد کے مسئلہ کا ایک نہایت کامیاب حل تلاش کر لیا۔ انھوں نے لندن کی چھپی ہوئی ایک کتاب پڑھی۔ اس میں انگریز مصنف نے بیرونی ملکوں کے انگریزی طالب علموں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ انگریزی لکھنے کی مشق اس طرح کریں کہ کسی اہل زبان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب لے لیں۔ اس کے بعد روزانہ اس سے چند صفحات لے کر پہلے اس کا اپنی زبان میں ترجمہ کریں پھر کتاب بند کر کے الگ رکھ دیں۔ اور اپنے ترجمہ کو بطور خود انگریزی میں منتقل کریں۔ جب ایسا کر لیں تو اس کے بعد دوبارہ کتاب کھولیں اور اس کی چھپی ہوئی عبارت سے اپنے انگریزی ترجمہ کا مقابلہ کریں۔ جہاں نظر آئے کہ انھوں نے کوئی غلطی کی ہے یا طریق اظہار میں کوتاہی ہوئی ہے اس کو اچھی طرح ذہن کی گرفت میں لائیں اور کتاب کی روشنی میں خود ہی اپنے مضمون کی اصلاح کریں۔

خاتون نے اس بات کو پکڑ لیا۔ اب وہ روزانہ اس پر عمل کرنے لگیں۔ انگریزی اخبار یا رسالہ یا کسی کتاب سے انگریزی کا کوئی مضمون لے کر وہ روزانہ اس کو اردو میں ترجمہ کرتیں اور پھر اپنے اردو ترجمہ کو دوبارہ انگریزی میں منتقل کرتیں اور پھر اپنے انگریزی ترجمہ کو اصل انگریزی عبارت سے ملا کر دیکھتیں کہ کہاں کہاں فرق ہے۔ کہاں کہاں ان سے کوئی کمی ہوئی ہے۔ اس طرح وہ روزانہ تقریباً دو سال تک کرتی رہیں۔ اس کے بعد ان کی انگریزی اتنی اچھی ہوگئی کہ وہ انگریزی میں مضامین لکھنے لگیں۔ ان کے مضامین انگریزی جرائد میں چھپنے لگے۔ ان کے بھائی نے اکسپورٹ کا ایک کام شروع کیا جس میں انگریزی خط و کتابت کی کافی ضرورت پڑتی تھی۔ خاتون نے انگریزی خط و کتابت کا پورا کام سنبھال لیا اور اس کو کامیابی کے ساتھ انجام دیا ——— مذکورہ خاتون نے جو تجربہ انگریزی زبان میں کیا وہی تجربہ دوسری زبانوں میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

ہماری دنیا کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی کامیابی تک پہنچنے کے بہت سے ممکن طریقے ہوتے ہیں۔ کچھ دروازے اگر آدمی کے اوپر بند ہو جائیں تب بھی کچھ دوسرے دروازے کھلے ہوتے ہیں جن میں داخل ہو کر وہ اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ دنیا میں کسی شخص کی ناکامی کا سبب ہمیشہ پست ہمتی ہوتا ہے نہ کہ اس کے لئے مواقع کا نہ ہونا۔

گروہ پرستی

عبداللہ بن سلام ایک یہودی عالم تھے جو قبیلہ بنو قینقاع سے تعلق رکھتے تھے۔ جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سنی تو انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر ہماری کتابوں میں آیا ہے اور جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ جب تک آپ مکہ میں تھے وہ خاموش رہے، جب آپ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو عبداللہ بن سلام مدینہ آئے تاکہ آپ سے ملیں۔ جب وہ آئے تو ان کے مشورے کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک گھر کے اندر بٹھا دیا اور یہودیوں کو بلا کر پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تمھارے درمیان کیسے آدمی ہیں۔ انھوں نے کہا: سیدنا و ابن سیدنا وحبرنا وعالمنا (وہ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ وہ ہمارے بزرگ اور ہمارے عالم ہیں) اس کے بعد عبداللہ بن سلام گھر سے نکل کر ان کے سامنے آگئے اور کہا: اے گروہ یہود، اللہ سے ڈرو اور محمدؐ جو کچھ لائے ہیں اس کو قبول کر لو۔ خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ تم ان کو تورات میں لکھا ہوا پاتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں۔ ان کی تصدیق کرتا ہوں اور میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔

عبداللہ بن سلام نے جب اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا تو وہی یہود جو اس سے پہلے ان کے علم اور ان کی فضیلت کا اعتراف شاندار لفظوں میں کر چکے تھے بولے: تم نے جھوٹ کہا (کذبت) حتی کہ وہ ان کو مارنے کے لئے دوڑے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھ چند اور یہودیوں نے اسلام قبول کیا تو یہودی علماء نے کہا: محمد پر جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کا اتباع کیا ہے وہ صرف ہمارے برے لوگ ہیں۔ اگر وہ ہمارے اچھے لوگ ہوتے تو ہرگز وہ آبا و اجداد کے دین کو نہ چھوڑتے اور دوسرے دین میں نہ چلے جاتے (ما آمن بمحمد ولا اتبعہ الا شرارنا، ولو کانوا من اخیارنا ما ترکوا دین آبائھم وذھبوا الی دین غیرہ، سیرت ابن ہشام، جزء ۲)

بہت سے لوگ خدا اور مذہب کا نام لیتے ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا پرست ہیں۔ مگر جب جانچ کا وقت آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنے حزب کے پرستار تھے نہ کہ حقیقۃً خدا کے پرستار۔ جب بھی آدمی کا یہ حال ہو کہ اس کو صرف وہ حق حق نظر آئے جو اس کے اپنے مانوس گروہ کی طرف سے اس کو مل رہا ہے، وہ حق اس کو حق دکھائی نہ دے جو اس کے گروہ کے باہر سے اس کے پاس آرہا ہے تو وہ حق کا نہیں بلکہ اپنے گروہ کا پرستار ہے۔ ایسے آدمی کا شمار اللہ کے یہاں حق پرستوں میں نہیں ہوگا بلکہ باطل پرستوں میں ہوگا۔ کیوں کہ حق کے نام پر وہ جس کی پرستش کر رہا تھا وہ دراصل اس کا اپنا گروہ تھا نہ کہ فی الواقع حق و صداقت۔

خدا پرست وہ ہے جو خدا کے سوا ہر دوسری چیز سے اپنے کو اوپر اٹھالے۔ خدا کے مقابلہ میں کوئی بھی دوسری چیز اس کے لئے عزیز تر نہ رہے۔ اس کی عقیدت و محبت کا مرکز ہر اعتبار سے صرف ایک اللہ ہو جائے۔

اوپر اٹھ کر سوچنا

جب تیز ہواؤں کا طوفان آتا ہے تو کم زور بازوؤں والی چھوٹی چڑیاں اس کے اندر گھر کر رہ جاتی ہیں۔ مگر جو بڑی چڑیاں ہوتی ہیں وہ اپنے مضبوط بازوؤں کے ساتھ اڑ کر اوپر چلی جاتی ہیں اور اس طرح وہ طوفان کی زد سے باہر نکل جاتی ہیں۔ اسی واقعہ کی روشنی میں انگریزی مثل ہے دی بگ برڈ آف دی اسٹارم (طوفان کی بڑی چڑیا) یہ مثل اس وقت بولی جاتی ہے جب کہ کوئی شخص حالات کے گھراؤ کو توڑ کر باہر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا ہو۔

اسی طرح سوچنے کی بھی دو سطحیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگوں کی سوچ ان کے قریبی حالات کے زیر اثر بنتی ہے۔ جن معاملات میں وہ گھرے ہوئے ہیں ان سے الگ ہو کر وہ سوچ نہیں پاتے۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جو "طوفان کی بڑی چڑیا" کی طرح اپنے قریب کے حالات سے اوپر اٹھ جاتے ہیں۔ وہ حالات سے متاثر ہو کر نہیں سوچتے بلکہ حالات سے بلند ہو کر اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔

مومن کی سوچ بڑی چڑیا کے انداز کی سوچ (بگ برڈ تھنکنگ) ہوتی ہے۔ وہ حالات سے اوپر اٹھ کر جیتا ہے۔ وہ تکلیفوں میں بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ وہ مشکل حالات میں بھی دین پر جمنے والا ہوتا ہے۔ وہ شکایتوں کے باوجود لوگوں سے خیر خواہی اور انصاف کا معاملہ کرتا ہے۔ وہ حالات کی پیداوار نہیں ہوتا بلکہ حالات سے الگ اپنی شخصیت بناتا ہے۔ وہ طوفانوں سے باہر زندگی گزارتا ہے نہ کہ ان کے اندر۔

غیر مومن ردعمل کی نفسیات میں جیتا ہے اور مومن مثبت نفسیات میں۔ غیر مومن دوسروں کی تخریب میں اپنی تعمیر کا راز سمجھتا ہے اور مومن خود اپنے امکانات کو بروئے کار لانے میں۔ غیر مومن دنیا کا غم لئے ہوئے ہوتا ہے اور مومن آخرت کا غم۔ غیر مومن کا دل انسانوں میں اٹکا ہوا ہوتا ہے اور مومن کا دل صرف اللہ میں۔

جب آدمی عقل کھو دے

پندرھویں صدی قبل مسیح تک مصر میں عمالقہ کی حکومت تھی جو مصر کے باہر سے آکر مصر کی حکومت پر قابض ہو گئے تھے۔ یوسف علیہ السلام اسی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے بعد مصر میں قومی انقلاب ہوا۔ عمالقہ کی حکومت ختم ہو گئی اور ایک ملکی خاندان نے مصر کی حکومت پر قبضہ کر لیا اور اپنا لقب فرعون اختیار کیا۔ موسیٰ علیہ السلام سابق حکمراں قوم (بنی اسرائیل) سے تعلق رکھتے تھے اور فراعنہ میں سے ایک فرعون کے پاس خدا کا پیغام لے کر بھیجے گئے۔

فرعون اپنے زمانہ میں بڑے جاہ وجلال کا بادشاہ تھا۔ حضرت موسیٰ جب اس کے دربار میں آکر کھڑے ہوئے تو فرعون نے ان کو حقیر سمجھا۔ دبے ہوئے فرقہ کا ایک فرد، جس کے پاس نہ شاندار کپڑے تھے اور نہ پرشکوہ سواری، نہ اس کے آس پاس دنیوی اہمیت کی اور کوئی چیز موجود تھی، اچانک بادشاہ کے دربار میں آکر کہتا ہے کہ میں تمہارے پاس خدا کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے درباری ہنس پڑے۔ انھوں نے حضرت موسیٰ کی بات کو مذاق سمجھا۔ ان کے لئے ناقابل فہم تھا کہ اتنی معمولی حیثیت کا آدمی خدا کا نمائندہ ہو سکتا ہے۔ انھوں نے حضرت موسیٰ کے پیغام کو اس کے دلائل کے اعتبار سے نہیں دیکھا بلکہ اس اعتبار سے دیکھا کہ اس کا پیش کرنے والا کیسا ہے۔ اور جب انھیں نظر آیا کہ پیش کرنے والا ایک معمولی آدمی ہے تو انھوں نے ان کی بات کو، دلائل کی عظمت کے باوجود، حقیر سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

حضرت موسیٰ کی بات ملک میں پھیلنے لگی اور بہت سے لوگ اس کے وزن کو محسوس کرنے لگے۔ اس وقت فرعون نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس کی باتوں پر دھیان دے رہے ہو۔ یہ شخص تو عجیب الجھی ہوئی باتیں کرتا ہے۔ ابھی تک یہ واضح نہ ہو سکا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ دوسری طرف میرا معاملہ ہے کہ میں صاف اور سمجھ میں آنے والی بات کہتا ہوں۔ میرے برسرحق ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ خدا نے مجھ کو بڑائی عطا کی ہے۔ اس ملک کا اقتصادی نظام میرے حکم کے تحت چل رہا ہے، موسیٰ اگر خدا کے نمائندے ہیں تو "کیوں نہ ان پر سونے کے کنگن اتارے گئے۔ یا فرشتوں کا دستہ ان کے ساتھ ہوتا"، فرعون کی یہ باتیں اس حد تک کارگر ہوئیں کہ اس نے اپنی قوم کی عقل کھو دی اور قوم نے اس کا کہنا مان لیا، وہ پہلے ہی سے فاسق لوگ تھے (زخرف ۵۴)

جب بھی حق کی بے آمیز دعوت اٹھتی ہے تو اس کی زد سب سے پہلے ان لوگوں پر پڑتی ہے جو کسی چلے ہوئے مذہب کے بل پر عوامی قیادت حاصل کئے ہوں، ایسے لوگ، جب دیکھتے ہیں کہ داعی کی باتوں سے لوگ متاثر ہو رہے ہیں تو وہ کچھ دلفریب باتیں کہہ کر لوگوں کے ذہن کو اس سے پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ داعی کے کھلے ہوئے دلائل کے مقابلہ میں ان کی پُرفریب باتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ تاہم اکثر لوگ چونکہ حق اور ناحق کے معاملہ میں زیادہ سنجیدہ نہیں ہوتے وہ گہرائی کے ساتھ دونوں باتوں کا موازنہ نہیں کرتے اور قائدین کی خوش نما باتوں میں آکر ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور حق کے داعی کو چھوڑ دیتے ہیں۔

مومن اللہ میں جیتا ہے

ایک چھوٹے بچے کے لئے سب کچھ اس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے والدین میں جیتا ہے۔ مومن وہ ہے جو اللہ میں جینے لگے۔ اس کی یادوں میں اللہ بسا ہوا ہو۔ اس کو ڈر لگتا ہو تو اللہ کا ڈر لگتا ہو۔ اس کے اندر محبت کے جذبات امنڈتے ہوں تو اللہ کے لئے امنڈتے ہوں۔ وہ جو کچھ کرتا ہو اللہ کے لئے کرتا ہو۔ وہ اللہ کو اپنے اوپر نگراں بنائے ہوئے ہو۔

لوگ عام طور پر دوسری دوسری چیزوں میں جیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو کبھی چین حاصل نہیں ہوتا۔ کوئی کسی انسانی شخصیت میں جی رہا ہے۔ کوئی دنیا کی رونقوں میں جی رہا ہے۔ کوئی اپنے بیوی بچوں میں جی رہا ہے۔ کوئی دولت اور عزت کی طلب میں جی رہا ہے۔ اسی طرح کوئی ہے جو کسی کی دشمنی میں جی رہا ہے۔ کوئی کسی کو اکھاڑنے اور برباد کرنے کی سازشوں میں جی رہا ہے۔ کوئی کسی کو بے عزت کرنے کے منصوبوں میں جی رہا ہے۔ یہ سب جینے کے باطل طریقے ہیں۔ یہ بے حقیقت چیزوں میں جینا ہے۔ یہ ایسی چیزوں میں جینا ہے جو فانی بھی ہیں اور خدا کی کائنات میں بے جوڑ بھی۔ اس لئے ایسی چیزیں آدمی کو نہ سچا سکون دے سکتی ہیں اور نہ یہی ممکن ہے کہ وہ آدمی کو اس خدائی راستہ پر چلا سکیں جو کسی کے لئے منزل تک پہنچنے کا واحد راستہ ہے۔ ایک ایسی دنیا جہاں تمام چیزیں خدا میں جی رہی ہوں، کوئی شخص اپنے لئے جینے کا دوسرا سہارا تلاش کرے تو وہ ایسا جھوٹا سہارا ہوگا جو اس کے کسی کام آنے والا نہیں۔

جب آدمی خدا میں جینے لگے تو اس کے اندر ایک نیا انسان ابھرتا ہے۔ اب اس کو بولنے سے زیادہ چپ رہنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس کو سرکشی کے بجائے اعتراف میں لذت ملتی ہے۔ اس کو شکایت کے موقع پر معاف کر دینے میں سکون ملتا ہے۔ اس کو اپنے بھائی کی پردہ پوشی کر کے راحت حاصل ہوتی ہے۔ امتیاز کے مقام پر بیٹھنے سے زیادہ خوشی اس کو اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے کو عجز کے مقام پر بیٹھا ہوا دیکھے۔

لڑائی کے ساتھ تعمیر نہیں ہوتی

لنڈن بی جانسن (۱۹۷۳-۱۹۰۸) جان کینیڈی کے قتل کے بعد ۱۹۶۳ میں امریکہ کے صدر بنائے گئے۔ وہ امریکہ کے پہلے صدر تھے جن کو ۱۶ ملین ووٹوں کی اکثریت سے صدر چنا گیا۔ صدر جانسن کو امریکہ کے اندرونی مسائل سے خصوصی دلچسپی تھی۔ ان کے چھ سالہ صدارت کے زمانہ میں ملک کی اندرونی اصلاح کے لئے سول رائٹس بل اور دوسرے کئی اہم قوانین پاس ہوئے۔ ان کے ذہن میں یہ پروگرام تھا کہ امریکہ کو عظیم سماج (Great Society) بنائیں۔ مگر جلد ہی وہ ویٹ نام کی جنگ میں الجھ گئے جو ان کے بعد اس طرح ختم ہوئی کہ اس نے امریکہ کی بنیادیں ہلادیں۔ کہا جاتا ہے کہ ویٹ نام کی بارہ سالہ جنگ میں امریکہ کے ۳۶۰۰ جیٹ طیارے اور ۵ ہزار ہیلی کاپٹر تباہ ہوئے۔ اس کے علاوہ تقریباً ۵۰ ہزار امریکی مارے گئے اور تین لاکھ سے زیادہ زخمی ہوئے۔ اسی نسبت سے دوسرے نقصانات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق دور حاضر کی اس طویل ترین جنگ میں امریکہ کے تقریباً ایک سو کھرب ڈالر برباد ہوئے۔

صدر جانسن نے امریکہ کو دنیا کا عظیم ترین سماج بنانے کا خواب دیکھا تھا۔ مگر عملاً صرف یہ ہوا کہ انھوں نے امریکہ کو اس قدر کمزور کر دیا کہ وہ دوسرے درجہ کی طاقت بننے کی طرف چل پڑا۔ مسلسل واقعات ثابت کر رہے ہیں کہ امریکہ زوال کی طرف جا رہا ہے۔ مبصرین کا خیال ہے کہ مستقبل قریب میں وہ روس کے مقابلہ میں دوسرے درجہ کی طاقت بن جائے گا۔ ایسا کیوں ہوا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ امریکہ، صدر جانسن کے زمانہ میں، ایک ایسی ہولناک جنگ میں الجھ گیا جس سے بربادی کے سوا کچھ اور ملنے والا نہ تھا۔ جب بھی آدمی کسی مقصد کو حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے ساتھ ضروری ہے کہ وہ مقصد کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے۔ آپ اپنے کمرہ کی دیوار کو سفید دیکھنا چاہتے ہوں تو آپ کے لئے لازم ہے کہ کمرہ میں کوئلہ کی انگیٹھی نہ جلائیں۔ کوئی شخص اپنی معاشی زندگی کی تعمیر کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ وہ قتل اور مقدمہ بازی جیسی چیزوں میں نہ الجھے۔ یہ اصول فرد کے لئے بھی ضروری ہے اور قوم کے لئے بھی۔

سیاست لڑنے بھڑنے کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے کو طاقت ور بنانے کا نام ہے۔ ایک چینی کہاوت ہے کہ امن کے زمانہ میں جتنا زیادہ پسینہ بہاؤ گے، جنگ کے زمانہ میں اتنا ہی کم خون بہے گا۔ حقیقی جنگ یہ ہے کہ جنگ سے پہلے اتنی تیاری کی جائے کہ جنگ کے بغیر صرف دھمکی سے کام چل جائے اور اگر جنگ کرنی ہی پڑے تو معمولی نقصان کے بعد جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ کسی قوم کو ترقی یافتہ بنانے کا کام تعمیری سرگرمیوں کے ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ جنگی اقدام سے۔ یقیناً زندگی میں اشتعال کے مواقع آتے ہیں جو آدمی کو جنگ اور مقابلہ آرائی کی طرف کھینچتے ہیں۔ مگر عقل مند وہ ہے جو ایسے موقع پر صبر و تحمل سے کام لے نہ کہ جوش میں آکر جنگ کے میدان میں کود پڑے۔ جنگ سے پہلے جنگ سے بچنا صرف جذبات کی قربانی مانگتا ہے مگر جنگ میں کودنے کے بعد جنگ کو چھوڑنے کے لئے مفاد کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اور پہلی چیز کے مقابلہ میں دوسری چیز یقیناً زیادہ بھاری ہے۔

اپنی غلطی کو جانیئے

"کچھ لوگ گویاکہ عجیب ہوتے ہیں"، ایک شخص نے کہا "گویاکہ ان کا ایک تکیۂ کلام بن جاتا ہے۔ گویاکہ وہ اس کو گویاکہ بار بار دہراتے رہتے ہیں۔ گویاکہ۔۔۔"، مذکورہ بزرگ اسی طرح اپنی گفتگو میں "گویاکہ" کا لفظ بار بار دہراتے رہے جو ان کا اپنا تکیہ کلام تھا۔ وہ نہایت اطمینان کے ساتھ دوسروں پر یہ تنقید کر رہے تھے کہ وہ اپنا ایک تکیہ کلام بنا لیتے ہیں اور اس کو بے موقع دہراتے رہتے ہیں۔ مگر خود اپنے بارہ میں ان کو ذرا بھی یہ احساس نہ تھا کہ انھوں نے بھی اپنا ایک تکیہ کلام بنا رکھا ہے جس کو وہ اپنی گفتگو میں بلا ضرورت بار بار دہراتے رہتے ہیں۔ ان کو دوسروں کی غلطی کی خبر تھی مگر اپنی غلطی سے وہ بالکل ناواقف تھے۔

یہ انسان کی عام کمزوری ہے۔ وہ دوسروں کی غلطیوں کو انتہائی باریک بینی کے ساتھ جانتا ہے۔ دوسروں کا معاملہ ہو تو وہ ان کی کوتاہیوں کے چھپے ہوئے گوشوں تک کو پالیتا ہے۔ مگر جب معاملہ اپنا اور اپنے متعلقین کا ہو تو وہ ایسا بے خبر ہو جاتا ہے جیسے وہ کچھ جانتا ہی نہیں۔ مگر خدا کے یہاں جو چیز کام آئے گی وہ اپنی غلطیوں کو جاننا ہے نہ کہ دوسروں کی غلطیوں کا ماہر بننا۔ جو شخص دوسروں کی غلطیوں کو جانے مگر اپنی غلطیوں کو نہ جانے وہ صرف اللہ کے سامنے یہ حجت قائم کر رہا ہے کہ اس کو اتنی سمجھ تھی کہ وہ اپنی غلطیوں کو جان لے مگر اس کی سرکشی نے اس کو اندھا بہرا بنا دیا۔ آنکھ رکھتے ہوئے اس نے نہ دیکھا اور کان رکھتے ہوئے اس نے نہ سنا۔ ایسے آدمی کے لئے خدا کے یہاں سخت سزا کے سوا اور کچھ نہیں۔

انسان کے اندر اللہ نے برائی اور بھلائی کی پہچان رکھی ہے تاکہ وہ جہنم کے راستہ سے بچے اور جنت کے راستہ کا مسافر بنے۔ مگر جس آدمی کا یہ حال ہو کہ وہ خود خلاف حق باتوں میں مبتلا ہو اور دوسروں کو حق کی تلقین کرے، اس نے اپنی پہچان کو صرف اپنے جہنمی سفر کو تیز تر کرنے میں استعمال کیا۔ کیونکہ اس قسم کی تلقین صرف ایک جرم ہے نہ کہ کوئی حقیقی عمل۔

پیغمبرؐ کی سنّت

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: کیا آپ پر ایسا کوئی دن گزرا ہے جو جنگ احد کے دن سے زیادہ سخت ہو۔ آپ نے فرمایا: تمھاری قوم سے مجھ کو بہت کچھ پہنچا ہے۔ اور اس کی طرف سے جو سب سے زیادہ شدید چیز مجھے پہنچی وہ عقبہ (طائف) کے دن تھی۔ جب کہ میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل کے سامنے پیش کیا۔ پھر اس نے وہ بات قبول نہ کی جو میں نے چاہا تھا (مجھ کو اپنی پناہ میں لینا منظور نہ کیا) پھر میں (طائف سے) واپس روانہ ہوا۔ اور میں سخت غم زدہ تھا۔ میں چلتا رہا یہاں تک کہ میں قرن ثعالب پہنچ گیا۔ پھر میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو اچانک میں نے پایا کہ ایک بادل میرے اوپر سایہ کئے ہوئے ہے۔ میں نے دیکھا تو اس میں جبریل تھے۔ انھوں نے مجھے پکارا اور کہا: اللہ نے اس قول کو سنا جو آپ کی قوم نے آپ سے کہا ہے اور جس طرح انھوں نے آپ کی بات کا جواب دیا ہے۔ اللہ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ قوم کے بارہ میں آپ جو کچھ چاہتے ہیں اس کا اسے حکم دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے مجھ کو پکارا اور مجھ کو سلام کیا اور کہا: اے محمدؐ! اللہ نے آپ کے بارے میں آپ کی قوم کے کلام کو سنا۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ میرے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ جو چاہیں اس کا مجھے حکم دیں۔ پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں چکی کے دو پاٹ کی طرح ان دونوں پہاڑوں کو ان کے اوپر کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ مجھے امید ہے کہ ان کی صلب سے اللہ ایسا شخص پیدا کرے جو ایک اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے (بل ارجو ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ وحدہ لا یشرک بہ شیئا، متفق علیہ)

اس واقعہ سے پیغمبر کا انداز اور طریق کار معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں کی طرف سے پیغمبر کو خواہ کتنی ہی تکلیف پہنچے وہ منفی نفسیات میں مبتلا نہیں ہوتا، اس کے اندر نفرت اور انتقام کا جذبہ نہیں بھڑکتا۔ وہ حال کے بجائے مستقبل کو دیکھتا ہے۔ اس کی نظریں سامنے کے واقعات کے بجائے ان واقعات پر ہوتی ہیں جو آئندہ ظہور میں آسکتے ہیں۔ وہ آنے والے بہتر امکان کی امید میں آج کی ناخوش گواریوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ فرد سے تعلق کا معاملہ ہو یا قوموں سے تعلقات کا معاملہ، ہر معاملہ میں پیغمبر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جذبات سے اوپر اٹھ کر سوچے اور شکایتوں اور تکلیفوں سے بلند ہو کر معاملہ کرے۔

ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح میری سنت سے ہے اور جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔ یہی بات یہاں بھی صادق آتی ہے۔ انتقام نہ لینا اور مستقبل کی امید میں حال کی تلخیوں کو نظر انداز کر دینا پیغمبر کی سنت ہے، اور جو پیغمبر کی سنت سے اعراض کرے وہ پیغمبر سے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم پیغمبر کی اس سنت پر عمل نہ کریں تو ہم کو نہ پیغمبر کے امتی ہونے کا حق ہے اور نہ پیغمبر کی شفاعت میں حصہ دار بننے کا۔ وہ شخص جس کو آج کی زندگی میں پیغمبر کا طریقہ پسند نہ ہو وہ کل کی زندگی میں پیغمبر کا رفیق کس طرح بن سکتا ہے۔

ناموافق حالات ترقی کا زینہ بن گئے

ایک "ملا جی"، دہلی کی ایک مسجد میں امام تھے۔ امامت کے علاوہ ان کی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ روزانہ قرآن کا درس دیں۔ ان تمام خدمات کا معاوضہ تھا۔ ماہانہ ۲۵ روپے تنخواہ، مسجد میں ایک حجرہ اور دو وقت کا کھانا۔ نوجوان ملا جی اس مختصر معاوضہ پر قانع ہونے کے لئے تیار تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ مسجد میرے لئے کم از کم ایک ٹھکانا تو ہے۔ یہاں رہ کر میں اپنے بچہ کی تعلیم پوری کرالوں گا۔ میں نہیں تو میرا بچہ مستقبل میں بہتر معاشی زندگی حاصل کرلے گا۔

مگر مسجد کے لوگوں کا سلوک ان کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ ہر نمازی ان کو اپنا ملازم سمجھتا۔ ذرا ذرا سی بات میں ہر آدمی ان کے اوپر برس پڑتا اور ان کو ذلیل کرتا۔ کوئی فرش کے لئے، کوئی جھاڑو کے لئے، کوئی لوٹے کے لئے، کوئی کسی اور چیز کے لئے ان کو پکارتا رہتا۔ وہ معاشی تنگی برداشت کرسکتے تھے۔ مگر ذلت ان کے لئے برداشت سے باہر تھی۔ بالآخر انھوں نے ایک نیا فیصلہ کیا۔ انھوں نے طے کیا کہ مجھے اپنی زندگی کو مستقل طور پر مسجد سے وابستہ نہیں رکھنا ہے بلکہ اپنے لئے کوئی دوسرا کام پیدا کرنا ہے۔ تاہم فوری طور پر مسجد چھوڑنا بھی برا تھا۔ کیونکہ مسجد کی امامت چھوڑنے کے بعد مسجد کا حجرہ ان سے چھن جاتا۔ اور شہر میں دوسری جگہ حاصل کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔

انھوں نے مسجد کی امامت کرتے ہوئے شہر کے طبیہ کالج میں داخلہ لے لیا اور خاموشی کے ساتھ طب کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ طبی تعلیم کی تکمیل میں ان کو پانچ سال لگ گئے۔ اس دوران میں وہ مسجد کے لوگوں کے برے سلوک کو پہلے سے بھی زیادہ خوش اسلوبی کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ نئے فیصلہ میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ صبر کریں۔ ذلت کی زندگی سے نکلنے ہی کی خاطر ذلت کی زندگی کو چند سال اور برداشت کریں۔

بالآخر وہ وقت آیا کہ انھوں نے طبی کالج سے ڈاکٹری کی سند حاصل کرلی۔ اب انھوں نے مسجد والوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے امامت سے استعفا دے دیا اور شہر کے ایک محلہ میں ایک جگہ کرایہ پر لے کر اپنا مطب کھول لیا۔ ان کی زندگی کے تلخ تجربات اور مستقبل کی خاطر ان کی طویل جد وجہد نے ان کو بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ انھوں نے نہایت محنت اور ہوشیاری کے ساتھ اپنا مطب چلایا۔ صرف چھ ماہ بعد ان کی آمدنی اتنی ہوگئی کہ ایک مکان لے کر وہ بچوں کے ساتھ بفراغت رہنے لگے۔ ایک سال کے بعد انھیں مقامی طبی کالج میں لکچرر کی جگہ بھی مل گئی۔ اس طرح ان کی معاشی زندگی میں مزید استحکام پیدا ہوگیا۔ کل کے ملا جی اب ڈاکٹر صاحب بن کر زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کو عزت بھی حاصل ہے اور معاشی فارغ البالی بھی۔

زندگی کے ناموافق حالات زندگی کے نئے زینے ہوتے ہیں جن کو استعمال کرکے آدمی آگے بڑھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ناموافق حالات سے نفرت اور شکایت کا سبق نہ لے۔ بلکہ مثبت ذہن کے تحت اپنے لئے نیا مستقبل بنانے میں لگ جائے۔

اسلام کی برتری

مریم جمیلہ ایک امریکی نومسلمہ ہیں۔ وہ امریکہ کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے مسلم ممالک کا سفر کیا۔ بالآخر ایک پاکستانی مسلمان سے شادی کرلی اور اب وہ پاکستان میں مقیم ہیں۔ ان کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے اسلام مغرب کے مقابلہ میں (Islam Versus The West) اس کتاب میں وہ اپنی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

یونیورسٹی کی تعلیم کے زمانہ میں میں نے ایک مضمون لیا جو "یہودیت اسلام میں" کہا جاتا تھا۔ میرا ربی پروفیسر اپنے طلبہ کو، جو سب کے سب یہودی ہوتے تھے، اس بات پر مطمئن کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ اسلام کا ماخذ یہودیت ہے ہماری نصابی کتاب میں قرآن کی ایک ایک آیت کو لے کر دکھایا گیا تھا کہ کس طرح وہ یہودی ذرائع علم پر مبنی ہے۔ پروفیسر کے لکچر کے ساتھ ہم کو ایسے فلم اور سلائڈ بھی دکھائے جاتے تھے جن میں صہیونیت اور یہودی ریاست کی تعریف ہوتی۔ اگرچہ پروفیسر کا حقیقی مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ اسلام پر یہودیت کی برتری ثابت کرے مگر میرے اوپر اس کا اثر بالکل الٹا پڑا۔ جیسے جیسے میں نے قدیم عہد نامہ اور قرآن کا گہرا مطالعہ کیا، دونوں کا تضاد مجھ پر نمایاں ہوتا چلا گیا۔ ایک معنی میں قدیم عہد نامہ صرف یہودیوں کی تاریخ تھی جو خدا کے چنے ہوئے لوگ تھے۔ قرآن اگرچہ عربی زبان میں ایک عرب پیغمبر پر اترا، اس کا پیغام ایک عالمی پیغام ہے جو تمام نسل انسانی کو خطاب کرتا ہے۔ جب میرے پروفیسر نے بتایا کہ فلسطین پر یہودیوں کا خدائی حق ہمیشہ سے یہودی شریعت کا مرکزی جزء رہا ہے تو مجھے خدا کے اس تنگ نظر عقیدہ سے بہت دھکا لگا۔ کیا قرآن یہ نہیں کہتا کہ: پورب پچھم سب خدا کے ہیں، تم جدھر بھی رخ کرو ادھر خدا موجود ہوگا۔ کیا پیغمبر اسلام نے نہیں کہا کہ تمام زمین خدا کی مسجد ہے۔ صہیونیت کہتی ہے کہ یہودیوں کا وطن صرف فلسطین ہے، دوسری جگہ وہ جلاوطن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میرے پروفیسر کا دعویٰ کہ یہودی صرف فلسطین میں رہ کر انسانی تہذیب میں اپنا حصہ ادا کرسکتے ہیں بے بنیاد نظر آتا ہے، جب اس حقیقت کو دیکھا جائے کہ حضرت موسیٰ پر وحی مصر میں آئی۔ تالمود کے انتہائی اہم حصے اس سرزمین میں لکھے گئے جو آج عراق کہا جاتا ہے (صفحہ ۴)

اسلام اتنا برحق مذہب ہے کہ دوسرے مذہبوں سے اس کا سادہ تقابل ہی اس کی برتری ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ بائبل ایک قوم کی قومی تاریخ معلوم ہوتی ہے جب کہ قرآن میں عالمی انسانی پیغام ملتا ہے۔ یہودیت کے نزدیک سارا تقدس بس فلسطین کی سرزمین میں ہے جب کہ اسلام کہتا ہے کہ ساری زمین خدا کی زمین ہے۔ یہودیت کے مطابق ان کے مذہب اور فلسطین کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا جب کہ خود حضرت موسیٰ کو خدا نے فلسطین سے باہر خطاب کیا اور یہودیوں کی مقدس مذہبی کتاب فلسطین کے باہر مرتب کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اتنا کامل اور اتنا برحق دین ہے کہ دوسروں کے سامنے صرف اس کو سادہ صورت میں پیش کردینا کافی ہے۔ بشرطیکہ ہم اس کو کسی ملاوٹ کے بغیر اس کی اصلی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کرسکیں۔

اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کئے۔ اور اللہ نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرض حسن دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ ضرور دور کر دوں گا اور تم کو ضرور ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پس تم میں سے جو شخص اس کے بعد انکار کرے گا تو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔ پس ان کی عہد شکنی کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت کر دی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔ اور جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ وہ بھلا بیٹھے۔ اور تم برابر ان کی کسی نہ کسی خیانت سے آگاہ ہوتے رہتے ہو بجز تھوڑے لوگوں کے۔ ان کو معاف کرو اور ان سے درگزر کرو، اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۱۳-۱۲

بنی اسرائیل سے ان کے پیغمبر کی معرفت خدا پرستانہ زندگی گزارنے کا عہد لیا گیا اور ان کے بارہ قبائل سے بارہ سردار ان کی نگرانی کے لئے مقرر کئے گئے۔ بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا وہ یہ تھا کہ وہ نماز کے ذریعہ اپنے کو اللہ والا بنائیں۔ وہ زکوٰۃ کی صورت میں بندوں کے حقوق ادا کریں۔ پیغمبروں کا ساتھ دے کر وہ اپنے کو اللہ کی پکار کی جانب کھڑا کریں اور اللہ کے دین کی جدوجہد میں اپنا اثاثہ خرچ کریں۔ ان کاموں کی ادائگی اور اپنے درمیان ان کی نگرانی کا اجتماعی نظام قائم کرنے کے بعد ہی وہ خدا کی نظر میں اس کے مستحق تھے کہ خدا ان کا ساتھی ہو۔ وہ ان کو پاک صاف کر کے اس قابل بنائے کہ وہ جنت کی لطیف فضاؤں میں داخل ہو سکیں۔ جنت کسی کو عمل سے ملتی ہے نہ کہ کسی قسم کے نسلی تعلق سے۔

اس عہد میں جن اعمال کا ذکر ہے یہی دین کے اساسی اعمال ہیں۔ یہی وہ شاہراہ ہے جو تمام انسانوں کو خدا اور اس کی جنت کی طرف لے جانے والی ہے۔ مگر جب آسمانی کتاب کی حامل قوموں میں بگاڑ آتا ہے تو وہ اس شاہراہ کے دائیں بائیں مڑ جاتی ہیں۔ اب یہ ہوتا ہے کہ خود ساختہ تشریحات کے ذریعہ دین کا تصور بدل دیا جاتا ہے۔ عبادت کے نام پر غیر متعلق بحثیں شروع ہو جاتی ہیں۔ نجات کے ایسے راستے تلاش کر لئے جاتے ہیں جو بندوں کے حقوق ادا کئے بغیر آدمی کو منزل تک پہنچا دیں۔ دعوتِ حق کے نام پر ان کے یہاں بے معنی قسم کے دنیوی ہنگامے جاری ہو جاتے ہیں۔ وہ دنیوی اخراجات کی بہت سی مدیں بناتے ہیں اور انھیں کو دین کے لئے خرچ کا نام دے دیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ اپنے دنیوی مصالح کے مطابق ایک دین گھڑتے ہیں اور اسی کو خدا کا دین کہنے لگتے ہیں۔ جب کوئی گروہ بگاڑ کی اس نوبت تک پہنچتا ہے تو خدا اپنی توجہ اس سے ہٹا لیتا ہے۔ خدا کی توفیق سے محروم ہو کر ایسے لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کی زبان سمجھتے ہیں اور اسی میں مصروف رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ موت کا فرشتہ آجاتا ہے تاکہ ان کو پکڑ کر خدا کی عدالت میں پہنچا دے۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں، ان سے ہم نے عہد لیا تھا۔ پس جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ وہ بھلا بیٹھے۔ پھر ہم نے قیامت تک کے لئے ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا۔ اور آخر اللہ ان کو آگاہ کردے گا اس سے جو کچھ وہ کر رہے تھے ۱۴

آسمانی کتاب کی حامل قوموں پر جب بگاڑ آتا ہے تو وہ دین کے محکم حصہ کو چھوڑ کر اس کے غیر محکم حصہ پر دوڑ پڑتی ہیں۔ اس کا نتیجہ دنیا میں اختلاف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور آخرت میں رسوائی کی صورت میں۔

مسیح علیہ السلام باپ کے بغیر ایک پاکباز خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔ پیدائش کے بعد انھوں نے اپنی زبان سے اپنا جو تعارف کرایا وہ یہ تھا "میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں"۔ اب حضرت مسیح کے بارہ میں رائے قائم کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ آنجناب نے اپنے بارے میں جو واضح الفاظ فرمائے ہیں انھیں کی پابندی کی جائے اور آپ کو وہی سمجھا جائے جو ان الفاظ سے براہ راست طور پر معلوم ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس معاملہ میں اپنے قیاس کو دخل دیا جائے اور کہا جائے کہ "انسان وہ ہے جو کسی باپ کا بیٹا ہو۔ مسیح کسی باپ کے بیٹے نہ تھے۔ اس لئے وہ خدا کے بیٹے تھے"۔ پہلی رائے کی بنیاد خود مسیح کا محکم اور مستند قول ہے اس لئے اگر اس کو اختیار کیا جائے تو اس میں اختلاف پیدا نہ ہوگا۔ جب کہ دوسری رائے کی بنیاد محض انسانی قیاس پر ہے۔ اس لئے جب دوسری رائے کو اختیار کیا جائے گا تو رایوں کا اختلاف شروع ہو جائے گا، جیسا کہ مسیح کو ماننے والوں کے ساتھ بعد کے زمانہ میں ہوا۔

آسمانی کتاب کی حامل کسی قوم میں جب بگاڑ آتا ہے تو اس کے اندر اسی قسم کی خرابیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ محکم دین کو چھوڑ کر قیاسی دین پر چل پڑتی ہیں۔ یہیں سے اختلاف اور فرقہ بندیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ فقہ اور کلام، روحانیت اور سیاست میں خدا اور رسول نے جو کھلے ہوئے احکام دئے ہیں لوگ ان کے سادہ مفہوم پر قانع نہیں رہتے بلکہ بطور خود نئی نئی بحثیں نکالتے ہیں۔ کبھی زمانہ کے خیالات سے متاثر ہو کر، کبھی اپنی دنیوی خواہشوں کو دینی جواز عطا کرنے کے لئے۔ کبھی بزعم خود خدا کے ناقص دین کو کامل بنانے کے لئے، اپنی طرف سے ایسی باتیں دین میں داخل کر دی جاتی ہیں جو حقیقۃً دین کا حصہ نہیں ہوتیں۔ اس طرح نئے نئے دینی ایڈیشن تیار ہو جاتے ہیں۔ کوئی روحانی ایڈیشن، کوئی سیاسی ایڈیشن، کوئی اور ایڈیشن۔ ہر ایک کے گرد اس کے موافق ذوق رکھنے والے لوگ جمع ہوتے رہتے ہیں۔ بالآخر ان کا ایک فرقہ بن جاتا ہے۔ ان کی بعد کی نسلیں اس کو اسلاف کا ورثہ سمجھ کر اس کی حفاظت شروع کر دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ وقت آجاتا ہے کہ وہ قیامت تک کبھی ختم نہ ہو۔ کیونکہ انسان ماضی کو ہمیشہ مقدس سمجھ لیتا ہے اور جو چیز مقدس بن جائے وہ کبھی ختم نہیں ہوتی ——— مذہب کے نام پر فرقہ بندی ایک طرف مقدس ہو کر ابدی بن جاتی ہے۔ دوسری طرف خدا کا حکم بن کر دوسروں کے خلاف نفرت اور جارحیت کا اجازت نامہ بھی۔

اے اہل کتاب، تمھارے پاس ہمارا رسول آیا ہے۔ وہ کتاب الٰہی کی بہت سی ان باتوں کو تمھارے سامنے کھول رہا ہے جن کو تم چھپاتے تھے۔ اور وہ درگزر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے۔ بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور ایک ظاہر کرنے والی کتاب آچکی ہے۔ اس کے ذریعہ سے اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور اپنی توفیق سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لا رہا ہے اور سیدھی راہ کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ خدا ہی تو مسیح ابن مریم ہے۔ کہو پھر کون اختیار رکھتا ہے اللہ کے آگے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کر دے مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ وہ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۷-۱۵

اہل کتاب نے اپنے دین میں دو قسم کی غلطیاں کیں۔ ایک یہ کہ کچھ تعلیمات کو تاویل یا تحریف کے ذریعہ دین سے خارج کر دیا۔ مثلاً انھوں نے اپنی کتاب میں ایسی تبدیلیاں کیں کہ اب ان کو اپنی نجات کے لئے کسی اور پیغمبر کو ماننے کی ضرورت نہ تھی۔ اپنے آبائی مذہب سے وابستگی ان کی نجات کے لئے بالکل کافی تھی۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے دین کے نام پر ایسی پابندیاں اپنے اوپر ڈال لیں جو خدا نے ان کے اوپر نہ ڈالی تھیں۔ مثال کے طور پر قربانی کی ادائگی کے وہ جزئی مسائل جن کا حکم ان کے نبیوں نے ان کو نہیں دیا تھا بلکہ ان کے علما نے اپنی فقہی موشگافیوں سے بطور خود ان کو گھڑ لیا۔

قرآن ان کے لئے ایک نعمت بن کر آیا۔ اس نے ان کے لئے دین خداوندی کی "تجدید" کی۔ قرآن نے ان کو اس اندھیرے سے نکالا کہ وہ ایسے راستہ پر چلتے رہیں جس کے متعلق وہ اس خوش فہمی میں ہوں کہ وہ جنت کی طرف جا رہا ہے، حالاں کہ وہ ان کو خدا کے غضب کی طرف لے جا رہا ہو۔ قرآن نے ایک طرف ان کی کھوئی ہوئی تعلیمات کو ان کی اصلی صورت میں پیش کیا۔ دوسری طرف قرآن نے یہ کیا کہ انھوں نے اپنے آپ کو جن غیر ضروری دینی پابندیوں میں مبتلا کر لیا تھا اس سے انھیں آزاد کر دیا۔ اب جو لوگ اپنی خواہشوں کی پیروی کریں وہ بدستور اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے۔ اور جن کو اللہ کی رضا کی تلاش ہو وہ حق کی سیدھی راہ کو پالیں گے وہ اللہ کی توفیق سے اپنے آپ کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا اپنی کامل صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ مگر وہ ہمیشہ دلیل کی زبان میں ہوتا ہے۔ اور دلیل انھیں لوگوں کے ذہن کا جزء بنتی ہے جو اس کے لئے اپنے ذہن کو کھلا رکھیں۔

خدا کو چھوڑ کر انسانوں نے جو خدا بنائے ہیں ان میں سے ہر ایک کا یہ حال ہے کہ وہ نہ کوئی چیز بطور خود پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کسی چیز کو بطور خود مٹا سکتے ہیں۔ یہی واقعہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ جو ہستیاں پیدائش اور موت پر قادر نہ ہوں وہ خدا کس طرح ہو سکتی ہیں۔

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ تم کہو کہ پھر وہ تمھارے گناہوں پر تم کو سزا کیوں دیتا ہے۔ نہیں بلکہ تم بھی اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں سے ایک آدمی ہو۔ وہ جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اے اہلِ کتاب، تمھارے پاس ہمارا رسول آیا ہے، وہ تم کو صاف صاف بتا رہا ہے رسولوں کے ایک وقفہ کے بعد۔ تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا نہیں آیا۔ پس اب تمھارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آگیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۹ — ۱۸

جو قوم کتاب اور پیغمبر کی حامل بنائی جائے اور وہ اس کو ماننے کا ثبوت دیدے تو اس پر خدا کی بہت سی نعمتیں نازل ہوتی ہیں ——— مخالفین کے مقابلہ میں خصوصی نصرت، زمین پر اقتدار، مغفرت اور جنت کا وعدہ، وغیرہ۔ قوم کے ابتدائی لوگوں کے لئے یہ ان کے عمل کا بدلہ ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کیا اس لئے خدا نے ان پر اپنی نعمتیں برسائیں۔ مگر بعد کی نسلوں میں صورت حال بدل جاتی ہے اب ان کے لئے سارا معاملہ قومی معاملہ بن جاتا ہے۔ اولین لوگوں کو جو چیز عمل کے سبب سے ملی تھی، بعد کے لوگ قومی اور نسلی تعلق کی بنا پر اپنے کو اس کا مستحق سمجھ لیتے ہیں۔ وہ یقین کر لیتے ہیں کہ وہ خدا کے خاص لوگ ہیں اور وہ خواہ کچھ بھی کریں خدا کی نعمتیں ان کو مل کر رہیں گی۔ حامل کتاب قوموں کو اس غلط فہمی سے نکالنے کی خاطر خدا نے ان کے لئے یہ خصوصی قاعدہ مقرر کیا ہے کہ ان کی جزا کا آغاز اسی دنیا سے شروع ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ اسی موجودہ دنیا میں دیکھ سکتے ہیں کہ آنے والی دنیا میں ان کا خدا ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے۔ اگر وہ دنیا میں اپنے دشمنوں پر غالب آرہے ہوں تو وہ خدا کے مقبول گروہ ہیں اور اگر ان کے دشمن ان پر غلبہ پالیں تو وہ خدا کے نامقبول گروہ ہیں۔ کوئی حامل کتاب گروہ کثرت تعداد کے باوجود اگر دنیا میں مغلوب اور ذلیل ہو رہا ہو تو اس کو ہرگز یہ امید نہ رکھنا چاہئے کہ آخرت میں وہ سربلند اور باعزت رہے گا۔

کسی قوم کو بحیثیت قوم کے خدا کا محبوب سمجھنا سراسر باطل خیال ہے۔ خدا کے یہاں فرد فرد کا حساب ہوتا ہے نہ کہ قوم قوم کا۔ ہر آدمی جو کچھ کرے گا اسی کے مطابق وہ خدا کے یہاں بدلہ پائے گا۔ ہر آدمی اللہ کی نظر میں بس ایک انسان ہے، خواہ وہ اِس قوم سے تعلق رکھتا ہو یا اُس قوم سے۔ ہر آدمی کے مستقبل کا فیصلہ اِس بنیاد پر کیا جائے گا کہ امتحان کی دنیا میں اس نے کس قسم کی کارکردگی کا ثبوت دیا ہے۔ جنت کسی کا قومی وطن نہیں اور جہنم کسی کا قومی جیل خانہ نہیں۔ اللہ کے فیصلہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے ایسے افراد اٹھاتا ہے جو لوگوں کو زندگی کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس کو جہنم سے ڈراتے ہیں اور جنت کی خوش خبری دیتے ہیں۔ خدا کے اسی بشیر و نذیر کا ساتھ دے کر آدمی خدا کو پاتا ہے نہ کہ کسی اور طریقے سے۔

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم، اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ اس نے تمھارے اندر نبی پیدا کئے۔ اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ دیا جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا تھا۔ اے میری قوم، اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے لئے لکھ دی ہے۔ اور اپنی پیٹھ کی طرف نہ لوٹو ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ انھوں نے کہا کہ وہاں ایک زبردست قوم ہے۔ ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہوں گے۔ دو آدمی جو اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اور ان دونوں پر اللہ نے انعام کیا تھا، انھوں نے کہا کہ تم ان پر حملہ کر کے شہر کے پھاٹک میں داخل ہو جاؤ۔ جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔ انھوں نے کہا کہ اے موسیٰ ہم کبھی وہاں داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں ہیں۔ پس تم اور تمھارا خداوند دونوں جا کر لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں ۲۴-۲۰

اللہ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کسی گروہ کو چن لیتا ہے۔ اس گروہ کے اندر وہ اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب بھیجتا ہے اور اس کو مامور کرتا ہے کہ وہ اس پیغام کو دوسروں تک پہنچائے۔ جس طرح وحی ایک خاص شخص پر اترتی ہے اسی طرح وحی کا حامل بھی ایک خاص گروہ کو بنایا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ خاص حیثیت بنی اسرائیل کو حاصل تھی اور نبی آخر الزماں کے بعد امت محمدی اس خصوصی منصب پر مامور ہے۔

اللہ کو جس طرح یہ مطلوب ہے کہ کوئی قوم اس کے دین کی نمائندگی کرے۔ اسی طرح اس کو یہ بھی مطلوب ہے کہ جو قوم اس کے دین کی نمائندہ ہو وہ دنیا میں باعزت اور سربلند ہو تاکہ لوگوں پر اس بات کا مظاہرہ ہو سکے کہ قیامت کے بعد جو نیا اور ابدی عالم بنے گا اس میں ہر قسم کی سرفرازیاں صرف اہل حق کو حاصل ہوں گی۔ باقی لوگ مغلوب کر کے خدا کی رحمتوں سے دور پھینک دئے جائیں گے۔ تاہم اس گروہ کو یہ دنیوی انعام یک طرفہ طور پر نہیں دیا جاتا اس کے لئے اس کو استحقاق کے امتحان میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اس کو عملی طور پر یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ پر اعتماد کرنے والا اور صبر کی حد تک اس کی مرضی پر قائم رہنے والا ہے۔

بنی اسرائیل جب تک اس معیار پر قائم رہے ان کو خدا نے ان کی حریف قوموں پر غالب کیا۔ حتیٰ کہ ایک زمانہ تک وہ اپنے وقت کی مہذب دنیا میں سب سے زیادہ سربلند حیثیت رکھتے تھے۔ مگر حضرت موسیٰ تشریف لائے تو بنی اسرائیل پر زوال آچکا تھا۔ امتحان کے وقت ان کی اکثریت اعتماد علی اللہ اور صبر کا ثبوت دینے کے لئے تیار نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ان کا ایک طبقہ اللہ اور اس کے رسول کے سامنے گستاخی کرنے لگا۔ ان کے دل میں اللہ سے بھی زیادہ دنیا کی طاقت ور قوموں کا ڈر سمایا ہوا تھا ——— جب خدا کا کوئی نمائندہ گروہ خدا کے کام کے لئے قربانی نہ دے تو گویا کہ وہ چاہتا ہے کہ خدا خود زمین پر اترے اور اپنے دین کا کام خود انجام دے، خواہ وہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کی طرح اس بات کو زبان سے کہہ دے یا دوسرے لوگوں کی طرح زبان سے نہ کہے بلکہ صرف اپنے عمل سے اس کو ظاہر کرے۔

موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب، اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر میرا اختیار نہیں۔ پس تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی کر دے۔ اللہ نے کہا: وہ ملک ان پر چالیس سال کے لئے حرام کر دیا گیا۔ یہ لوگ زمین میں بھٹکتے پھریں گے۔ پس تم اس نافرمان قوم پر افسوس نہ کرو ۲۶-۲۵

بنی اسرائیل جب حضرت موسیٰ کی قیادت میں مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں پہنچے تو اس زمانہ میں شام و فلسطین کے علاقہ میں ایک ظالم قوم (عمالقہ) کی حکومت تھی۔ اللہ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ ظالم لوگ اپنی عمر پوری کر چکے ہیں۔ تم ان کے ملک میں داخل ہو جاؤ، تم کو خدا کی مدد حاصل ہوگی اور تم معمولی مقابلہ کے بعد ان کے اوپر قبضہ پالوگے۔ مگر بنی اسرائیل پر اس قوم کی ایسی ہیبت طاری تھی کہ وہ ان کے ملک میں داخل ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اللہ سے زیادہ انسانوں سے ڈرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ کی نظر میں ان کی کوئی قیمت نہ رہی۔ اللہ نے ان کے بارے میں فیصلہ کر دیا کہ وہ چالیس سال (۱۴۰۰-۱۴۴۰ ق م) تک فاران اور شرقی اردن کے درمیان صحرا میں بھٹکتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ۲۰ سال سے لے کر اوپر کی عمر تک کے سارے لوگ ختم ہو جائیں گے۔ اس دوران ان کی نئی نسل نئے حالات میں پرورش پاکر اٹھے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۴۰ سال کی صحرائی زندگی میں ان کے تمام بڑی عمر والے مر کر ختم ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی نئی نسل نے یوشع بن نون کی قیادت میں شام و فلسطین کو فتح کیا۔ یہ یوشع بن نون ان دو صالح اسرائیلیوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے عمالقہ کے ملک میں داخل ہو جاؤ۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ اگر ہم اس ملک پر حملہ کریں تو ہم کو شکست ہوگی اور اس کے بعد "ہمارے بچے لوٹ کا مال ٹھہریں گے"، مگر یہی بچے بڑے ہو کر عمالقہ کے ملک میں داخل ہوئے اور اس پر قبضہ کیا۔ بچوں میں یہ طاقت اس لئے پیدا ہوئی کہ انھوں نے لمبی مدت تک صحرائی زندگی کی مشقتوں کو برداشت کیا تھا۔ بچوں کے باپ جن پر خطر حالات کو اپنے بچوں کے حق میں موت سمجھتے تھے انھیں پُرخطر حالات کے اندر داخل ہونے میں ان کے بچوں کی زندگی کا راز چھپا ہوا تھا۔

موافق حالات میں جینا بظاہر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے اندر تمام بہترین اوصاف اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب کہ اس کو حالات کا مقابلہ کر کے زندہ رہنا پڑے۔ مصر میں بنی اسرائیل صدیوں تک عافیت کی زندگی گزارتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک مردہ قوم بن گئے۔ مگر خروج کے بعد ان کو جو صحرائی زندگی حاصل ہوئی اس میں زندگی ان کے لئے سراپا چیلنج تھی۔ ان حالات میں جو لوگ بچپن سے جوانی کی عمر کو پہنچے وہ قدرتی طور پر بالکل دوسری قسم کے لوگ تھے۔ صحرائی حالات نے ان کے اندر سادگی، ہمت، جفاکشی اور حقیقت پسندی پیدا کر دی تھی۔ اور یہی وہ اوصاف ہیں جو کسی قوم کو زندہ قوم بناتے ہیں ——— کوئی قوم اگر حالات کے نتیجہ میں مردہ قوم بن جائے تو اس کو دوبارہ زندہ قوم بنانے کے لئے غیر معمولی حالات میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ حق کے ساتھ سناؤ۔ جب کہ ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہ ہوئی۔ اس نے کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ تو صرف متقیوں سے قبول کرتا ہے۔ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اٹھاؤ گے تو میں تم کو قتل کرنے کے لئے تم پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو سارے جہان کا رب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی لے لے پھر تو آگ والوں میں شامل ہو جائے۔ اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی۔ ۲۹ - ۲۷

اللہ کے لئے جو عمل کیا جائے اس کا اصل بدلہ تو آخرت میں ملتا ہے، تاہم بعض اوقات دنیا میں بھی ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو بتاتے ہیں کہ آدمی کا عمل خدا کے یہاں مقبول ہوا یا نہیں۔ آدم کے بیٹوں میں سے قابیل اور ہابیل کے ساتھ بھی ایسی ہی صورت پیش آئی۔ قابیل کسان تھا اور ہابیل بھیڑ بکریوں کا کام کرتا تھا، ہابیل نے اپنی محنت کی کمائی اللہ کے لئے دی۔ وہ اللہ کے یہاں مقبول ہوئی اور اس کی برکت اس کی زندگی اور اس کے کام میں ظاہر ہوئی۔ قابیل نے بھی اپنی بھیڑ بکریوں میں سے کچھ اللہ کے لئے پیش کیا مگر وہ قبول نہ ہوا اور وہ خدا کی برکت پانے سے محروم رہا۔ یہ دیکھ کر قابیل کے دل میں اپنے چھوٹے بھائی ہابیل کے لئے حسد پیدا ہو گیا۔ یہ حسد اتنا بڑھا کہ اس نے ہابیل سے کہا کہ میں تم کو جان سے مار ڈالوں گا۔ ہابیل نے کہا کہ تمہاری قربانی قبول نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ تمہارے دل میں خدا کا خوف نہیں۔ تم کو میرے پیچھے پڑنے کے بجائے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ مگر حسد اور بغض کی آگ جب کسی کے اندر بھڑکتی ہے تو وہ اس کو اس قابل نہیں رکھتی کہ وہ اپنی غلطیوں کا جائزہ لے۔ وہ بس ایک ہی بات جانتا ہے: یہ کہ جس طرح بھی ہو اپنے مفروضہ حریف کا خاتمہ کر دے۔

ہابیل نے قابیل سے کہا کہ تم خواہ میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھاؤ، میں تمہارے قتل کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اور مسلمان کی باہمی لڑائی کو اللہ نے سراسر حرام قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر ایک مسلمان اپنے دوسرے بھائی کے قتل کے درپے ہو جائے تو اس وقت بھی عزیمت یہ ہے کہ دوسرا بھائی اپنے بھائی کے خون کو اپنے لئے حلال نہ کرے۔ وہ اپنی طرف سے جارحانہ اقدام نہ کر کے باہمی ٹکراؤ کو پہلے ہی مرحلہ میں ختم کر دے گا۔ اس کے برعکس اگر وہ بھی جواب میں جارحیت کرنے لگے تو مسلم معاشرہ کے اندر عمل اور ردعمل کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ لیکن حملہ آور اگر غیر مسلم ہو تو اس وقت ایسا کرنا درست نہیں۔ اسی طرح جب دینی دشمنوں کی طرف سے جارحیت کی جائے تو مسلم اور غیر مسلم کا فرق کئے بغیر ایسے لوگوں سے بھرپور مقابلہ کیا جائے گا۔

دو مسلمان جب ایک دوسرے کی بربادی کے درپے ہوں تو گناہ دونوں کے درمیان تقسیم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی بربادی کی کارروائیاں کرے اور دوسرا مسلمان صبر اور دعا میں مشغول ہو تو پہلا شخص نہ صرف اپنے گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے بلکہ دوسرے شخص کے اس ممکن گناہ کا بوجھ بھی اس کے اوپر ڈال دیا جاتا ہے جو صبر اور دعا کے طریقہ پر نہ چلنے کی صورت میں وہ کرتا۔

پھر اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر راضی کر لیا اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر وہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔ پھر خدا نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین میں کریدتا تھا تاکہ وہ اس کو دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ اس نے کہا افسوس میری حالت پر کہ میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ پس وہ بہت شرمندہ ہوا ۳۱-۳۰

دنیا میں جو کچھ کسی کو ملتا ہے خدا کی طرف سے ملتا ہے۔ اس لئے کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر جلنا اور اس کے نقصان کے درپے ہونا گویا خدا کے منصوبہ کو باطل کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ ایسا آدمی اگرچہ موجودہ امتحان کی دنیا میں ایک حد تک عمل کرنے کا موقع پاتا ہے۔ مگر خدا کی نظر میں وہ بدترین مجرم ہے۔ ہابیل نے اپنے بڑے بھائی کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے بعد اس کے دل میں جھجھک پیدا ہوئی۔ اس کو محسوس ہوا کہ وہ واقعی بلاسبب اپنے بھائی کو مار ڈالنا چاہتا ہے۔ مگر اس کا حسد کا جذبہ ٹھنڈا نہ ہو سکا۔ اس نے اپنے ذہن میں ایسے عذرات گھڑ لئے جو اس کے لئے اپنے بھائی کے قتل کو جائز ثابت کر سکیں۔ اس کی اندرونی کش مکش نے بالآخر خود ساختہ توجیہات میں اپنے لئے تسکین تلاش کر لی اور اس نے اپنے بھائی کو مار ڈالا ——— ضمیر کی آواز خدا کی آواز ہے۔ ضمیر کے اندر کسی عمل کے بارہ میں سوال پیدا ہونا آدمی کا امتحان کے میدان میں کھڑا ہونا ہے۔ اگر آدمی اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہے تو وہ کامیاب ہوا۔ اور اگر اس نے جھوٹے الفاظ کا سہارا لے کر ضمیر کی آواز کو دبا دیا تو وہ ناکام ہو گیا۔

حدیث میں ہے کہ زیادتی اور قطع رحم ایسے گناہ ہیں کہ ان کی سزا اسی موجودہ دنیا سے شروع ہو جاتی ہے (ما من ذنب اجدر ان یعجل اللہ عقوبتہ فی الدنیا مع ما یدخر لصاحبہ فی الآخرۃ من البغی وقطیعۃ الرحم) قابیل نے اپنے بھائی کے ساتھ جو ناحق ظلم کیا تھا اس کی سزا اس کو نہ صرف آخرت میں ملی بلکہ اسی دنیا سے اس کا انجام شروع ہو گیا۔ مجاہد اور جبیر تابعی سے منقول ہے کہ قتل کے بعد قابیل کا یہ حال ہوا کہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے چپک گئی۔ وہ بے یار و مددگار زمین پر پڑا رہتا، یہاں تک کہ اسی حال میں ذلت اور تکلیف کے ساتھ مر گیا (ابن کثیر)

قابیل کو کوے کے ذریعہ یہ تعلیم دی گئی کہ وہ لاش کو زمین کے نیچے دفن کر دے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ انسان فطرت کے راستہ کو جاننے کے معاملہ میں جانور سے بھی زیادہ کم عقل ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ اپنے جذبات کے پیچھے چلتا ہے تو اس سے زیادہ ظالم اور کوئی نہیں۔ نیز اس میں اس حقیقت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ جرم سے پہلے اگر آدمی جرم کے ارادہ کو اپنے سینہ میں دفن کر دے تو اس کو شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ دل کے احساس کو دل کے اندر دبائے، اس کو دل سے باہر آکر واقعہ نہ بننے دے۔ برے احساس کو دل کے باہر نکالنے سے پہلے تو صرف احساس کو دفن کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر اس نے اس کو باہر نکالا تو پھر ایک زندہ انسان کی "لاش" کو دفن کرنے کا مسئلہ اس کے لئے پیدا ہو جائے گا جو دفن ہو کر بھی خدا کے یہاں دفن نہیں ہوتا۔

اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کرے، بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے ایک شخص کو بچایا تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو بچا لیا۔ اور ہمارے پیغمبر ان کے پاس کھلے ہوئے احکام لے کر آئے۔ اس کے باوجود ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں کرتے ہیں۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کرنے کے لئے دوڑتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا وہ سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹے جائیں یا ان کو ملک سے باہر نکال دیا جائے۔ یہ ان کی رسوائی دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کر لیں تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۳۲ — ۳۴

کوئی شخص جب کسی شخص کو قتل کرتا ہے تو وہ صرف ایک انسان کا قاتل نہیں ہوتا بلکہ تمام انسانوں کا قاتل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ حرمت کے اس قانون کو توڑتا ہے جس میں تمام انسانوں کی زندگیاں بندھی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی شخص کسی کو ظالم کے ظلم سے نجات دیتا ہے تو وہ صرف ایک شخص کا نجات دہندہ نہیں ہوتا بلکہ تمام انسانوں کا نجات دہندہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس نے اس اصول کی حفاظت کی کہ تمام انسانوں کی جان محترم ہے۔ کسی کو کسی کے اوپر ہاتھ اٹھانے کا حق نہیں۔ جب کوئی شخص کسی کی عزت یا اس کے مال یا اس کی جان پر حملہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ کے اندر ہنگامی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے کسی ایک واقعہ کو بھی اس نظر سے دیکھیں گویا سارے لوگوں کی جان اور مال اور آبرو خطرہ میں ہے۔ کسی معاشرہ میں ایک دوسرے کے احترام کی روایات لمبی تاریخ کے نتیجہ میں بنتی ہیں۔ اور اگر ایک بار یہ روایات ٹوٹ جائیں تو دوبارہ لمبی تاریخ کے بعد ہی ان کو معاشرہ کے اندر قائم کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ معاشرہ کے اندر فساد کی روایت قائم کریں وہ معاشرہ کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

خدا نے اپنی دنیا کا نظام جس اصول پر قائم کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنے حصہ کا فرض انجام دے۔ کوئی شخص دوسرے کے دائرہ میں بے جا مداخلت نہ کرے۔ تمام جمادات اور حیوانات اسی فطرت پر عمل کر رہے ہیں۔ انسان کو بھی پیغمبروں کے ذریعہ یہ ہدایات واضح طور پر بتا دی گئی ہیں۔ مگر انسان جو کہ دیگر مخلوقات کے برعکس وقتی طور پر آزاد رکھا گیا ہے، سرکشی کرتا ہے اور اس طرح فطرت کے نظام میں فساد پیدا کرتا ہے۔ ایسے لوگ خدا کی نظر میں سخت مجرم ہیں۔ اور وہ لوگ اور بھی زیادہ بڑے مجرم ہیں جو خدا اور رسول سے جنگ کریں۔ یعنی خدا اپنے بندوں کے درمیان ایسی دعوت اٹھائے جو لوگوں کو مفسدانہ طریقوں سے بچنے اور فطرت خداوندی پر زندگی گزارنے کی طرف بلاتی ہو تو وہ اس کا راستہ روکیں اور اس کے خلاف تخریبی کارروائیاں کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں عبرت ناک سزا ہے اور آخرت میں بھڑکتی ہوئی آگ۔

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جد و جہد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اور ہو تاکہ وہ اس کو فدیہ میں دے کر قیامت کے دن کے عذاب سے چھوٹ جائیں تب بھی وہ ان سے قبول نہ کی جائے گی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں مگر وہ اس سے نکل نہ سکیں گے اور ان کے لئے ایک مستقل عذاب ہے۔ اور چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔ اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کی اور اصلاح کر لی تو اللہ بے شک اس پر توجہ کرے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک ہے۔ وہ جس کو چاہے سزا دے اور جس کو چاہے معاف کر دے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۴۰-۳۵

بندے کے لئے سب سے بڑی چیز اللہ کی قربت ہے۔ یہ قربت اپنی محسوس اور کامل صورت میں تو آخرت میں حاصل ہوگی۔ تاہم کسی بندے کا عمل جب اس کو اللہ سے قریب کرتا ہے تو ایک لطیف احساس کی صورت میں بہ اس کو اسی دنیا میں ہونے لگتا ہے۔ اس قربت تک پہنچنے کا ذریعہ تقویٰ اور جہاد ہے۔ یعنی ڈرنے اور جد و جہد کرنے کی سطح پر اللہ کا پرستار بننا۔ آدمی کی زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں جب کہ وہ اپنے کو حق اور ناحق کے درمیان کھڑا ہوا پاتا ہے۔ حق کی طرف بڑھنے میں اس کی انا ٹوٹتی ہے۔ اس کی دنیوی مصلحتوں کا ڈھانچہ بکھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جب کہ ناحق کا طریقہ اختیار کرنے میں اس کی انا قائم رہتی ہے۔ اس کی مصلحتیں پوری طرح محفوظ دکھائی دیتی ہیں۔ ایسے وقت میں جو شخص خدا سے ڈرے اور تمام دوسری باتوں کو نظر انداز کر کے خدا کو پکڑ لے۔ اور ہر مشکل اور ہر ناخوش گواری کو جھیل کر خدا کی طرف بڑھے تو یہی وہ چیز ہے جو آدمی کو خدا سے قریب کرتی ہے۔ اور اس قربت کا نقد تجربہ آدمی کو حسیات کی سطح پر ایک لطیف ادراک کی صورت میں اسی وقت ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص تقویٰ اور جہاد کے راستہ پر چلنے کے لئے تیار نہ ہوا اس نے خدا کا انکار کیا۔ وہ خدا سے دور ہو کر ایسے عذاب میں پڑ جاتا ہے جس سے وہ کسی طرح چھٹکارا نہ پا سکے گا۔

جزا کا معاملہ تمام تر خدا کے اختیار میں ہے۔ نہ تو ایسا ہے کہ کوئی بعد کی زندگی میں اصلاح کرے تب بھی اس کے پچھلے اعمال اس سے نہ دھلیں اور نہ یہ بات ہے کہ یہاں کوئی اور طاقت ہے جو سفارش یا مداخلت کے زور پر کسی کے انجام کو بدل سکے۔ سارا معاملہ ایک خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہی کمال درجہ حکمت اور قدرت کے ساتھ سب کا فیصلہ کرے گا۔

سماجی جرائم کے لئے اسلام کی سزائیں دو خاص پہلوؤں کو سامنے رکھ کر مقرر کی گئی ہیں۔ ایک، آدمی کے جرم کی سزا۔ دوسرے یہ کہ سزا ایسی عبرت ناک ہو کہ اس کو دیکھ کر دوسرے مجرمین کی حوصلہ شکنی ہو۔ تاہم مجرم اگر جرم کے بعد اپنے فعل پر شرمندہ ہو۔ وہ اللہ سے معافی مانگے اور آئندہ اس قسم کی چیزوں کو بالکل چھوڑ دے تو امید ہے کہ میں اللہ اسے معاف کر دے گا۔

اے پیغمبر، تم کو وہ لوگ رنج میں نہ ڈالیں جو کفر کی راہ میں بڑی تیزی دکھا رہے ہیں۔ خواہ وہ ان میں سے ہوں جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے یا ان میں سے ہوں جو یہودی ہیں، جھوٹ کے بڑے سننے والے، سننے والے دوسرے لوگوں کی خاطر جو تمھارے پاس نہیں آئے۔ وہ کلام کو اس کے مقام سے ہٹا دیتے ہیں۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو اس سے بچ کر رہنا۔ اور جس کو اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے تو تم اللہ کے مقابل اس کے معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے نہ چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے ۴۱

مدینہ میں اندرونی طور پر دو قسم کے لوگ اسلامی دعوت کی مخالفت کر رہے تھے۔ ایک منافقین، دوسرے یہود۔ منافقین وہ لوگ تھے جو ظاہری اور نمائشی اسلام کو لئے ہوئے تھے۔ سچے اسلام کی دعوت میں ان کو اپنے اغراض و مفادات پر زد پڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ یہود وہ لوگ تھے جو مذہب کی نمائندگی کی گدیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو محسوس ہوتا تھا کہ اسلامی دعوت ان کو ان کے برتری کے مقام سے نیچے اتار رہی ہے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ سچے اسلام کی دعوت کو اپنا مشترک دشمن سمجھتے تھے۔ اس لئے اسلام کے خلاف مہم چلانے میں دونوں ایک ہو گئے۔ ان کے "بڑے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ خود نہ آتے۔ البتہ ان کے "چھوٹے" اس پر لگے ہوئے تھے کہ وہ آپ کی باتوں کو سنیں اور ان کو اپنے بڑوں تک پہنچائیں۔ پھر یہ لوگ اس کو الٹے معنی پہناتے اور آپ کو اور آپ کی تحریک کو بدنام کرتے۔ ان کی سرکشی نے ان کو ایسا ڈھیٹ بنا دیا تھا کہ وہ اللہ کے کلام کو اس کے موقع و محل سے ہٹا کر اس سے اپنا مفید مطلب مفہوم نکالنے سے بھی نہ ڈرتے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کو خدا اور رسول کے تابع نہیں کرتے۔ بلکہ ان کا ذہن یہ ہوتا ہے کہ جو بات اپنے ذوق کے مطابق ہو اس کو لے لو اور جو بات ذوق کے مطابق نہ ہو اس کو چھوڑ دو۔ یہ مزاج کسی آدمی کے لئے سخت فتنہ ہے۔ جن لوگوں کا یہ حال ہو کہ وہ حق کے مقابلہ میں مفاد اور مصلحت کو ترجیح دیں، جو ہر حال میں اپنے کو بڑائی کے مقام پر دیکھنا چاہیں، جو حق کو زیر کرنے کے لئے اس کے خلاف تخریبی سازشیں کریں، حتیٰ کہ اپنے عمل کو جائز ثابت کرنے کے لئے خدا کے کلام کو بدل ڈالیں، ایسے لوگوں کی نفسیات بالآخر یہ ہو جاتی ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے خدا کا ساتھ چھوڑا، اس لئے خدا نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ایسے لوگ خدا کی توفیق سے محروم ہو کر باطل مشغلوں میں لگے رہتے ہیں، یہاں تک کہ آگ کی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔

اللہ کا جو بندہ اللہ کے سچے دین کا پیغام لے کر اٹھا ہو اس کو مخالفتوں کی وجہ سے بے ہمت نہیں ہونا چاہئے۔ ایسے لوگوں کی سرگرمیاں حقیقۃً داعی کے خلاف نہیں بلکہ خدا کے خلاف ہیں۔ اس لئے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ دعوتی عمل سے اللہ کو جو چیز مطلوب ہے وہ صرف یہ کہ اصل بات سے بخوبی طور پر لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے۔ اور یہ کام اللہ کی مدد سے لازماً اپنی تکمیل تک پہنچ کر رہتا ہے۔

وہ جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں، حرام کے بڑے کھانے والے ہیں۔ اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو خواہ ان کے درمیان فیصلہ کرو یا ان کو ٹال دو۔ اگر تم ان کو ٹال دو گے تو وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان انصاف کے مطابق فیصلہ کرو۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور وہ کیسے تم کو حکم بناتے ہیں حالاں کہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔ اور پھر وہ اس سے منھ موڑ رہے ہیں۔ اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں ہیں ۴۳-۴۲

حرام (سُحت) سے مراد رشوت ہے۔ رشوت کی ایک عام شکل وہ ہے جو براہ راست اسی نام پر لی جاتی ہے۔ چنانچہ یہودی علماء میں ایسے لوگ تھے جو رشوت لے کر غلط مسائل بتایا کرتے تھے۔ تاہم رشوت کی ایک اور صورت وہ ہے جس میں براہ راست لین دین نہیں ہوتا مگر وہ تمام رشوتوں میں زیادہ بڑی اور زیادہ قبیح رشوت ہوتی ہے۔ یہ ہے دین کو عوامی پسند کے مطابق بنا کر پیش کرنا تاکہ عوام کے درمیان مقبولیت ہو، لوگوں کا اعزاز و اکرام ملے، لوگوں کے چندے اور نذرانے وصول ہوتے رہیں۔

دین کو اس کی بے آمیز صورت میں پیش کرنا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ آدمی عوام کے اندر نامقبول ہو جائے۔ اس کے برعکس دین کو اگر ایسی صورت میں پیش کیا جائے کہ زندگی میں کوئی حقیقی تبدیلی بھی نہ کرنا پڑے اور آدمی کو دین بھی حاصل رہے تو ایسے دین کے گرد بہت جلد بھیڑ کی بھیڑ اکٹھا ہو جاتی ہے ——— وہ دین جس میں اپنی دنیا پرستانہ زندگی کو بدلے بغیر کچھ سستے اعمال کے ذریعہ جنت مل رہی ہو۔ وہ دین جو قومی اور مادی ہنگامہ آرائیوں کو دینی جواز عطا کرتا ہو۔ وہ دین جس میں یہ موقع ہو کہ آدمی اپنی جاہ پسندی کے لئے سرگرم ہو، پھر بھی وہ جو کچھ کرے سب دین کے خانہ میں لکھا جاتا رہے۔ جو لوگ اس قسم کا دین پیش کریں وہ بہت جلد عوام کے اندر محبوبیت کا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔

یہود کے قائدین اسی قسم کا دین چلا کر عوام کا مرجع بنے ہوئے تھے۔ وہ عوام کو ان کا پسندیدہ دین پیش کر رہے تھے اور عوام اس کے معاوضہ میں ان کو مالی تعاون سے لے کر اعزاز و اکرام تک ہر چیز نثار کر رہے تھے۔ ایسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچے دین کی آواز بلند کرنا ان کو ناقابل برداشت معلوم ہوا۔ کیوں کہ یہ ان کے مفادات کے ڈھانچہ کو توڑنے کے ہم معنی تھا۔ آپ سے ان کو اتنی ضد ہو گئی کہ آپ کے متعلق کسی اچھی خبر سے ان کو کوئی دلچسپی نہ رہی۔ البتہ اگر وہ آپ کے بارے میں کوئی بری خبر سنتے تو اس میں خوب دل چسپی لیتے اور اس میں اضافہ کر کے اس کو پھیلاتے۔ جن لوگوں میں اس قسم کا بگاڑ آجائے ان کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ اگر وہ دینی فیصلہ لینے کی طرف رجوع بھی ہوتے ہیں تو اس امید میں کہ فیصلہ اپنی خواہش کے مطابق ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ جانتے ہوئے کہ یہ خدا و رسول کا فیصلہ ہے اس کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ ایسا کرنا محض ایک فیصلہ کو نہ ماننا نہیں ہے بلکہ خود ایمان و اسلام کا انکار کرنا ہے۔

بے شک ہم نے تورات اتاری ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق خدا کے فرماں بردار انبیاء یہودی لوگوں کا فیصلہ کرتے تھے اور ان کے درویش اور علماء بھی۔ اس لئے کہ وہ خدا کی کتاب پر نگہبان ٹھہرائے گئے تھے۔ اور وہ اس کے گواہ تھے۔ پس تم انسانوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کو متاع حقیر کے عوض نہ بیچو۔ اور جو کوئی اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے اتارا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔ اور ہم نے اس کتاب میں ان پر لکھ دیا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلا ان کے برابر۔ پھر جس نے اس کو معاف کر دیا تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا تصدیق کرتے ہوئے اپنے سے قبل کی کتاب تورات کی اور ہم نے اس کو انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اپنے سے اگلی کتاب تورات کی اور ہدایت اور نصیحت ڈرنے والوں کے لئے۔ اور چاہئے کہ انجیل والے اس کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں اتارا ہے۔ اور جو کوئی اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا تو وہی لوگ نافرمان ہیں ۴۷ - ۴۴

خدا کی کتاب اس لئے آتی ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی ابدی فلاح کی راہ دکھائے۔ خواہش پرستی کے اندھیرے سے نکال کر ان کو حق پرستی کی روشنی میں لائے۔ جو خدا سے ڈرنے والے ہیں وہ خدا کی کتاب کو خدا اور بندے کے درمیان مقدس عہد سمجھتے ہیں جس میں اپنی طرف سے کمی یا زیادتی جائز نہ ہو۔ وہ اس کی تعمیل اس طرح کرتے ہیں جس طرح کسی کے پاس کوئی امانت ہو اور وہ ٹھیک ٹھیک اس کی ادائگی کرے۔ اللہ کی کتاب بندوں کے حق میں اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ضرورت ہوتی ہے کہ زندگی کے معاملات میں اسی کی ہدایت پر چلا جائے اور باہمی نزاعات میں اسی کے احکام کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ خدا کی کتاب کو اگر یہ حاکمانہ حیثیت نہ دی جائے بلکہ اپنے معاملات و نزاعات کو اپنی دنیوی مصلحتوں کے تابع رکھا جائے تو یہ خدا کی کتاب سے انکار کے ہم معنی ہوگا، خواہ تبرک کے طور پر اس کا کتنا ہی زیادہ ظاہری احترام کیا جاتا ہو۔ جو لوگ اپنے کو مسلم کہیں مگر ان کا حال یہ ہو کہ وہ اختیار اور آزادی رکھتے ہوئے بھی اپنے معاملات کا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق نہ کریں بلکہ خواہشوں کی شریعت پر چلیں وہ اللہ کی نظر میں کافر اور ظالم اور فاسق ہیں۔ وہ خدا کی حاکمانہ حیثیت کا انکار کرنے والے ہیں، وہ حق کے تلف کرنے والے ہیں، وہ اطاعت خداوندی کے عہد سے نکل جانے والے ہیں۔ حکم شریعت کو جان بوجھ کر نظر انداز کرنے کے بعد آدمی کی کوئی حیثیت خدا کے یہاں باقی نہیں رہتی۔

قصاص کے سلسلے میں شریعت کا تقاضا ہے کہ کسی کی حیثیت کی پروا کئے بغیر اس کا نفاذ کیا جائے۔ تاہم بعض اوقات آدمی کی جارحیت اس کی شرپسندی کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ وقتی جذبہ کے تحت صادر ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر مجروح جارح کو معاف کر دے تو یہ اس کی طرف سے جارح کے لئے ایک صدقہ ہوگا اور سماج میں وسعت ظرف کی فضا پیدا کرنے کا ذریعہ۔

اور ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری حق کے ساتھ، تصدیق کرنے والی پچھلی کتاب کی اور اس کے مضامین پر نگہبان۔ پس تم ان کے درمیان فیصلہ کرو اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا۔ اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک طریقہ ٹھہرایا۔ اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ مگر اللہ نے چاہا کہ وہ اپنے دئے ہوئے حکموں میں تمہاری آزمائش کرے۔ پس تم بھلائیوں کی طرف دوڑو۔ آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ پھر وہ تم کو آگاہ کر دے گا اس چیز سے جس میں تم اختلاف کر رہے تھے ۴۸

یہاں "کتاب" سے مراد دین کی اصلی اور اساسی تعلیمات ہیں۔ اللہ کی یہ کتاب ایک ہی کتاب ہے اور وہی ایک کتاب، زبان اور ترتیب کے فرق کے ساتھ، تمام نبیوں کی طرف اتاری گئی ہے۔ تاہم دین کی حقیقت جس ظاہری ڈھانچہ میں متشکل ہوتی ہے اس میں مختلف انبیاء کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ نہیں کہ دین کے اتارنے میں کوئی ارتقائی ترتیب ہے۔ یعنی پہلے کم ترقی یافتہ اور غیر کامل دین اتارا گیا اور اس کے بعد زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ کامل دین اترا۔ اس فرق کی وجہ خدا کی حکمت ابتلا ہے نہ کہ حکمت ارتقاء۔ قرآن کے مطابق ایسا صرف اس لئے ہوا کہ لوگوں کو آزمایا جائے۔ زمانہ گزرنے کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ دین کی اندرونی حقیقت گم ہو جاتی ہے اور ظواہر و رسوم مقدس ہو کر اصل بن جاتے ہیں۔ لوگ عبادت اس کو سمجھ لیتے ہیں کہ ایک خاص ڈھانچہ کو ظاہری شرائط کے ساتھ دہرا لیا جائے۔ اس لئے ظاہری ڈھانچہ میں بار بار تبدیلیاں کی گئیں تاکہ ڈھانچہ کی مقصودیت کا ذہن ختم ہو اور خدا کے سوا کوئی اور چیز توجہ کا مرکز نہ بننے پائے۔ اس کی ایک مثال قبلہ کی تبدیلی ہے۔ بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ وہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے عبادت کریں۔ یہ حکم صرف رخ بندی کے لئے تھا۔ مگر دھیرے دھیرے ان کا ذہن یہ بن گیا کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے ہی کا نام عبادت ہے۔ اس وقت سابق حکم کو بدل کر کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔ اب کچھ لوگ سابقہ روایت سے لپٹے رہے اور کچھ لوگوں نے خدا کی ہدایت کو پالیا۔ اس طرح تبدیلیٔ قبلہ سے یہ کھل گیا کہ کون در و دیوار کو پوجنے والا تھا اور کون خدا کو پوجنے والا (بقرہ ۱۴۳)۔

اب اس قسم کی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ کیونکہ ڈھانچہ کو نبی بدلتا ہے اور نبی اب آنے والا نہیں۔ تاہم جہاں تک اصل مقصود کا تعلق ہے وہ بدستور باقی ہے۔ اب بھی خدا کے یہاں اس کا سچا پرستار وہی شمار ہوگا جو ظاہری ڈھانچہ کی پابندی کے باوجود ظاہری ڈھانچہ کو مقصودیت کا درجہ نہ دے، جو ظواہر سے ذہن کو آزاد کر کے خدا کی عبادت کرے۔ پہلے یہ مقصد ظاہری ڈھانچہ کو توڑ کر حاصل ہوتا تھا اب اس کو ذہنی شکست و ریخت کے ذریعہ حاصل کرنا ہوگا۔

ظواہر کے نام پر دین میں جو جھگڑے ہیں وہ صرف اس لئے ہیں کہ لوگوں کی غفلت نے ان کو اصل حقیقت سے بے خبر کر دیا ہے۔ اگر حقیقت کو وہ اس طرح پالیں جس طرح وہ آخرت میں دکھائی دے گی تو تمام جھگڑے ابھی ختم ہو جائیں

اور ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور ان لوگوں سے بچو کہ کہیں وہ تم کو پھسلا دیں تمہارے اوپر اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے۔ پس اگر وہ پھر جائیں تو جان لو کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔ اور یقیناً لوگوں میں سے زیادہ آدمی نافرمان ہیں۔ کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ اور اللہ سے بڑھ کر کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین کرنا چاہیں ۵۰ ـ ۴۹

قرآن اور دوسرے آسمانی صحیفے الگ الگ کتابیں نہیں ہیں۔ یہ سب ایک ہی کتاب الٰہی کے مختلف ایڈیشن ہیں جس کو یہاں "الکتاب" کہا گیا ہے۔ خدا کی طرف سے جتنی کتابیں آئیں، خواہ وہ جس دور میں اور جس زبان میں آئی ہوں، سب کا مشترک مضمون ایک ہی تھا۔ تاہم پچھلی کتابوں کے حاملین بعد کے زمانہ میں ان کو ان کی اصلی صورت میں محفوظ نہ رکھ سکے۔ اس لئے خدا نے ایک کتاب مہیمن (قرآن) اتارا۔ یہ خدا کی طرف سے اس کی کتاب کا مستند ایڈیشن ہے اور اس بنا پر وہ ایک کسوٹی ہے جس پر جانچ کر معلوم کیا جائے کہ بقیہ کتابوں کا کون سا حصہ اصلی حالت میں ہے اور کون سا وہ ہے جو بدلا جا چکا ہے۔

یہود خدا کے سچے دین کے ساتھ اپنی باتوں کو ملا کر ایک خود ساختہ دین بنائے ہوئے تھے۔ اس خود ساختہ دین سے ان کی عقیدتیں بھی وابستہ تھیں اور ان کے مفادات بھی۔ اس لئے وہ کسی طرح تیار نہ تھے کہ اس کو چھوڑ کر پیغمبر کے لائے ہوئے بے آمیز دین کو مان لیں۔ انھوں نے حق کے آگے جھکنے کے بجائے اپنے لئے یہ طریقہ پسند کیا کہ وہ حق کے علم بردار کو اتنا زیادہ پریشان کریں کہ وہ خود ان کے آگے جھک جائے، وہ خدا کے سچے دین کو چھوڑ کر ان کے اپنے بنائے ہوئے دین کو اختیار کر لے۔ خدا اگر چاہتا تو پہلے ہی مرحلہ میں ان ظالموں کا ہاتھ روک دیتا اور وہ حق کے داعی کو ستانے میں کامیاب نہ ہوتے۔ مگر اللہ نے انھیں چھوٹ دی کہ وہ اپنے ناپاک منصوبوں کو بروئے کار لا سکیں۔ ایسا اس لئے ہوا تاکہ یہ بات پوری طرح کھل جائے کہ دین داری کے یہ دعوے دار سب سے زیادہ بے دین لوگ ہیں۔ وہ خدا کے پرستار نہیں ہیں بلکہ خود اپنی ذات کے پرستار ہیں۔ اللہ کی یہ سنت اگرچہ حق کے داعیوں کے لئے بڑا سخت امتحان ہے۔ مگر یہی وہ عمل ہے جس کے ذریعہ یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ کون جنت کا مستحق ہے اور کون جہنم کا۔

انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلنا چاہتا ہے، اللہ کے حکم کا پابند بن کر رہنا اس کو گوارا نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ دین خداوندی کی خود ساختہ تشریح کر کے وہ اس کو بھی اپنی خواہشوں کے سانچہ میں ڈھال لیتا ہے۔ ایسی حالت میں بے آمیز دین کو وہی لوگ قبول کریں گے جو چیزوں کو خواہش کی سطح پر نہ دیکھتے ہوں بلکہ اس سے اوپر اٹھ کر اپنی رائے قائم کرتے ہوں۔ اللہ کی بات بلاشبہ صحیح ترین بات ہے۔ مگر موجودہ آزمائشی دنیا میں ہر سچائی پر ایک شبہ کا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ آدمی کا امتحان یہ ہے کہ وہ اس پردہ کو پھاڑ کر اس پر یقین کرے، وہ غیب کو شہود میں دیکھ لے۔ جو شخص ظاہری شبہات میں اٹک جائے وہ ناکام ہو گیا اور جو شخص ظاہری شبہات کے غبار کو پار کر کے سچائی کو پا لے وہ کامیاب رہا۔

اے ایمان والو، یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو شخص ان کو اپنا دوست بنائے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا۔ اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا۔ تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں روگ ہے وہ ان ہی کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ تو ممکن ہے کہ اللہ فتح دیدے یا اپنی طرف سے کوئی خاص بات ظاہر کرے۔ تو یہ لوگ اس چیز پر جس کو یہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں نادم ہوں گے۔ اور اس وقت اہل ایمان کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو زور شور سے اللہ کی قسمیں کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ ان کے سارے اعمال ضائع ہوگئے اور وہ گھاٹے میں رہے ۵۳ — ۵۱

عرب میں مسلمان ابھی ایک نئی طاقت کی حیثیت رکھتے تھے۔ مزید یہ کہ ان کے مخالفین ان کو اکھاڑنے کی کوشش میں رات دن لگے ہوئے تھے۔ دوسری طرف ملک کے یہودی اور عیسائی قبائل کا یہ حال تھا کہ ملک کے بیشتر اقتصادی وسائل پر ان کا قبضہ تھا۔ صدیوں کی تاریخ نے ان کی عظمت لوگوں کے دلوں پر بٹھا رکھی تھی۔ لوگوں کو یقین نہیں تھا کہ ایسی طاقت کو ملک سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی جماعت میں جو کمزور لوگ تھے وہ چاہتے تھے کہ م کی جدوجہد میں اس طرح شریک نہ ہوں کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دشمن بنا لیں۔ تاکہ یہ کش مکش اگر مسلمانوں کی ست پر ختم ہو تو یہود و نصاریٰ کی طرف سے انھیں کسی انتقامی کارروائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ لوگ مستقبل کے ہوم خطرہ سے بچنے کے لئے اپنے کو وقت کے یقینی خطرہ میں مبتلا کر رہے تھے، اور وہ ان کی دہری وفاداری تھی۔ جو شخص بے ضرر معاملات میں حق پرست بنے اور ضرر کا اندیشہ ہو تو باطل پرستوں کا ساتھ دینے لگے، اس کا انجام خدا کے یہاں انھیں لوگوں میں ہوگا جن کا اس نے خطرہ کے مواقع پر ساتھ دیا۔

کسی کی زندگی میں وہ وقت بڑا نازک ہوتا ہے جب کہ اسلام پر قائم رہنے کے لئے اس کو کسی قسم کی قربانی پڑے۔ ایسے مواقع زندگی کے اسلام کی تصدیق یا تردید کرنے کے لئے آتے ہیں۔ خدا چاہتا ہے کہ آدمی جس اسلام بے خطر حالات میں دے رہا تھا اسی اسلام کا ثبوت وہ اس وقت بھی دے جب کہ جذبات کو دبا کر یا جان و مال خطرہ مول لے کر آدمی اپنے اسلام کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ اس امتحان میں پورا اترنے کے بعد ہی آدمی اس قابل بنتا ہے کہ اس کا خدا اس کو اپنے وفادار بندوں میں لکھ لے۔ ان مواقع پر اسلامیت کا ثبوت دینا ہی کسی آدمی کے پچھلے اعمال کو باقیمت بناتا ہے۔ اور اگر وہ ایسے مواقع پر اسلامیت کا ثبوت نہ دے سکے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے پچھلے تمام اعمال کو بے قیمت کر لیا۔

دنیا کا ہر امتحان ارادہ کا امتحان ہے۔ آدمی کو صرف یہ کرنا ہے کہ وہ خطرات کو نظر انداز کرکے ارادہ کا ثبوت دے دے، وہ اللہ کی طرف اپنا پہلا قدم اٹھا دے۔ اس کے بعد فوراً خدا کی مدد اس کا سہارا بن جاتی ہے۔ مگر جو شخص ارادہ کا ثبوت نہ دے، جو خدا کی طرف اپنا پہلا قدم نہ اٹھائے وہ اللہ کی نظر میں ظالم ہے۔ ایسے لوگوں کو خدا یک طرفہ طور پر اپنی مدد کا سہارا نہیں بھیجتا۔

روزہ کس کے لئے

سورہ بقرہ رکوع ۲۳ میں رمضان کے روزوں کا بیان ہے۔ روزہ کے احکام بتاتے ہوئے درمیان میں ارشاد ہوا ہے: اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں نزدیک ہوں۔ پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ پس چاہئے کہ وہ میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ امید ہے کہ وہ بھلائی کو پالیں گے (بقرہ ۱۸۶) گویا خدا سے پانے کے لئے بندہ کو بھی خدا کو کچھ دینا ہے۔ روزہ اسی "دینے" کے عمل کی ایک علامت ہے۔ روزہ میں آدمی خدا کی خاطر اپنا کھانا پانی چھوڑ دیتا ہے جو آدمی کی آخری سب سے بڑی ضرورت ہے۔ یہ اس بات کا ایک سبق ہے کہ دنیا کی زندگی میں آدمی کو جو کچھ اپنے رب کے سامنے پیش کرنا ہے اس کا سلسلہ ناگزیر ضروریات تک پہنچتا ہے۔ روزہ یہ پیغام دیتا ہے کہ آدمی خود "بھوکا" رہ کر اپنی متاع کو خدا کے حضور نذر کر دے۔

روزہ عمل کا خاتمہ نہیں بلکہ عمل کا آغاز ہے۔ روزہ دار کو یہ کرنا ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ اللہ کے لئے وقف کر دے۔ اس کو اپنے بیوی بچوں کی امنگوں میں کمی کر کے دین کے تقاضے پورے کرنا ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو اپنی زندگی یہاں تک مختصر کرنی پڑے کہ بہت سی ضروری چیزوں سے اس کے لئے "فاقہ" کرنے کی نوبت آجائے۔ اگر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کو وہ سب کچھ ملے جو خدا کے پاس ہے تو اس کو بھی وہ سب کچھ دینا پڑے گا جو اس کے پاس ہے۔ "سب کچھ" دے کر ہی سب کچھ ملتا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

جس طرح رمضان کے مہینہ میں خدا روزہ کے لئے پکارتا ہے اسی طرح سال بھر اس کی پکار بلند ہوتی رہتی ہے۔ آدمی کے سامنے ناجائز کمائی کی صورتیں آتی ہیں، اس وقت خدا پکارتا ہے کہ اے میرے بندے ناجائز کمائی کو چھوڑ کر جائز کمائی پر قناعت کر۔ کسی بھائی کے خلاف اس کے اندر غصہ کی آگ بھڑکتی ہے، اس وقت خدا پکارتا ہے کہ میرے بندے تو اس کو معاف کر دے۔ حق کو ماننے میں مفاد یا عزت نفس کا سوال رکاوٹ بنتا ہے، اس وقت خدا پکارتا ہے کہ میرے بندے تو کسی مصلحت کی پروا کئے بغیر حق کو مان لے۔ اسی طرح زندگی کے ہر موقع پر خدا اپنے بندوں کو پکارتا ہے۔ اب جو شخص ان مواقع پر وہی کرے جو اس کا خدا اس سے چاہتا ہے تو اس نے خدا کی پکار پر لبیک کہا۔ اسی کو قرآن میں تقویٰ کہا گیا ہے (بقرہ - ۱۸۳)

روزہ کا عمل اللہ کو بڑا بنانے (بقرہ ۱۸۵) کی ایک علامت ہے۔ اللہ کے حکم سے آدمی اپنے ایک ایسے تقاضے پر پابندی لگا لیتا ہے جو اس کی زندگی کا سب سے زیادہ ضروری تقاضا ہے۔ یہ عمل کی زبان میں اس بات کا عہد ہے کہ آدمی اللہ کو اپنا "کبیر" اور اپنے آپ کو اس کے مقابلہ میں "صغیر" بنائے گا۔

یہی تکبیر ہے جو زبان سے اللہ اکبر کی صورت میں نکلتی ہے اور عمل سے اپنی انا کو ختم کر دینے کی صورت میں۔ آدمی کی پوری زندگی اس بات کا امتحان ہے کہ وہ کس کو بڑا بناتا ہے، خدا کو یا اپنے آپ کو۔ اپنے کو بڑا بنانے والے کے اندر گھمنڈ کی نفسیات پرورش پاتی ہیں اور خدا کو بڑا بنانے والے کے اندر تواضع کی نفسیات۔ جو شخص خدا کو اپنا بڑا بنائے اس کے اندر سے انانیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی پوری ہستی خدا کے آگے جھک جاتی ہے۔ خدا کی عظمت کا تصور اس کے اوپر اتنا چھا جاتا ہے کہ اپنی ہستی اس کو بالکل بے قیمت دکھائی دینے لگتی ہے۔ ایسے شخص سے جب کسی کا معاملہ پڑتا ہے تو وہ "عبد" کی طرح اس سے معاملہ کرتا ہے نہ کہ "معبود" کی طرح۔ وہ خدا کے بندوں کے مقابلہ میں سرکشی نہیں دکھاتا۔ وہ بندوں سے معاملہ کرتے ہوئے گھمنڈ کا مظاہرہ نہیں کرتا، اس کو دولت یا عہدہ یا حیثیت کا کوئی حصہ مل جائے تو وہ اپنے کو دوسروں سے بڑا نہیں سمجھتا۔ اللہ کو اپنا بڑا بنانا اللہ کے سامنے ذکر اور عبادت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور بندوں کے سامنے تواضع اور بے نفسی کی صورت میں۔

روزہ ایک ایسا تجربہ ہے جو بالآخر "افطار" تک پہنچاتا ہے۔ بھوک کا لمبا وقفہ گزار کر آدمی اپنے آپ کو کھانے اور پانی سے سیراب کرتا ہے۔ اس طرح وہ خدا کی نعمتوں کے بارے میں اپنے اندر شکر کے احساس (بقرہ ۱۸۵) کو جگاتا ہے۔ وہ عمل کی زبان میں اپنے آپ کو بتاتا ہے کہ خدا کی وہ عنایات کتنی بڑی ہیں جو روزانہ اس کو خدا کی طرف سے ملتی رہتی ہیں۔ روزہ کے مہینہ میں قرآن کا اتارنا اس بات کا ایک اشارہ ہے کہ قرآن بھی تمھارے لئے ایک خدائی افطار کا انتظام ہے۔ تم ہدایت کے معاملہ میں بھوکے تھے۔ خدا نے اپنی نعمت ہدایت سے تم کو سیراب کیا۔

اللہ نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کو بہترین صلاحیتیں عطا کیں۔ دنیا میں اعلیٰ ترین انتظام کر کے یہاں اس کو بسایا۔ اس کے لئے ایک ابدی جنت بنائی اور اپنی کتاب کے ذریعے پیشگی بتا دیا کہ اس جنت تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے۔ جس خدا کے اتنے احسانات ہوں اس کے ساتھ آدمی کا تعلق ایسا ہونا چاہئے کہ اس کا تصور اس کی روح کو سرشار کر دے۔ اس کی یاد آتے ہی قلب و دماغ شکر کے سجدہ میں گر پڑیں۔ زبان پر اس کی احسان مندی کے نغمے جاری ہوں۔ اس کی اندرونی ہستی اس کے احسانات کے اعتراف سے بھر جائے۔ اس کی عملی زندگی ایسی گزرے گویا کہ وہ خدا کے انعام و احسان کی بارش میں نہائی ہوئی ہے۔

تقویٰ اور تکبیر اور تشکر کا یہ ثبوت جو بندے کو دینا ہے وہ بہت بڑی قیمت مانگتا ہے، وہ اپنے نفس اور مفادات کی قربانی ہے۔ اس پر آدمی اسی وقت قائم رہ سکتا ہے جب کہ اس کا ایمان اس کے لئے حقیقی معنوں میں یقین و اعتماد کے ہم معنی بن گیا ہو۔

عقلیت کا فریب

"میں ایک سوال میں الجھ گیا ہوں"، ایک صاحب نے کہا "آپ اس کو حل کیجئے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ اسلام کی صداقت کے بارے میں میرا یقین ختم نہ ہو جائے"۔ ان کا سوال موت کے بعد آنے والے انجام سے متعلق تھا۔ انھوں نے کہا کہ اسلام کے مطابق آدمی کے مرنے کے بعد ہی اس کا اخروی انجام شروع ہو جاتا ہے۔ اب ایک شخص آج پیدا ہوتا ہے اور ایک شخص وہ ہے جو دس ہزار سال پہلے پیدا ہوا۔ دونوں پچاس پچاس سال زندگی گزارتے ہیں اور اس کے بعد مر کر اپنی آخرت میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق ان میں سے ایک شخص دس ہزار سال پہلے سے اپنا انجام پا رہا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جس کا اخروی انجام دس ہزار سال بعد آج سے شروع ہوگا۔ یہ آخر کون سا انصاف ہے۔

میں نے کہا کہ اس مسئلہ کو سمجھنا ناممکن نہیں۔ مثلاً جدید نظریہ اضافیت نے زمان و مکان کے تصور کو ختم کر دیا ہے۔ ماضی اور مستقبل کی تقسیم دراصل ہماری ذہنی محدودیت کی وجہ سے ہے۔ اگر ہم اپنی ذہنی حدبندیوں سے آزاد ہو جائیں تو ہم دیکھیں گے کہ اس قسم کی تمام تقسیمات بالکل اضافی تھیں۔ اس کا ایک تجربہ وہ ہے جو ہر آدمی کو خواب میں ہوتا ہے۔ خواب میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سالوں کے اندر گزرنے والے واقعات کو ایک لمحہ میں دیکھ لیتا ہے۔ خواب کی دنیا میں دور اور قریب، ماضی اور مستقبل کی کوئی تقسیم نہیں۔

تاہم اصل بات یہ ہے کہ ان سوالات میں الجھنا اصولی طور پر درست نہیں۔ اس قسم کے سوالات سوالات نہیں ہیں بلکہ موشگافیاں ہیں۔ اور آدمی اگر موشگافیوں میں پڑ جائے تو ان کا کبھی خاتمہ نہیں ہوتا۔ سوچنے کا یہ انداز صرف بھٹکانے والا ہے۔ آدمی اگر اس قسم کے سوالات کے حل پر اصرار کرے تو نہ وہ دنیا میں کوئی کامیابی حاصل کر سکتا ہے اور نہ آخرت میں۔

میں نے کہا کہ آپ دنیوی حیثیت سے ایک کامیاب آدمی ہیں۔ یہ کامیابی آپ نے اپنی محنت سے حاصل کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ سے پہلے کے زمانہ میں بھی بہت سے لوگ پیدا ہوئے اور انھوں نے دنیوی کامیابیاں حاصل کیں۔ اب آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ آپ سے پہلے پیدا ہونے کی وجہ سے ان کو زیادہ موقع ملا۔ انھوں نے بے حد سستی زمینیں خرید لیں۔ ان کو ہر قسم کا سامان بہت کم قیمت میں مل گیا۔ آجکل کی سیاست اور قانونی الجھاؤں کے وجود میں آنے سے پہلے انھوں نے اپنی زندگیاں بنالیں۔ وغیرہ۔ مذکورہ سوال کی طرح یہاں بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایک انسان کے حالات اور دوسرے انسان کے حالات میں یہ فرق کیوں۔ جب تک اس سوال کا جواب نہ ملے میں کوئی معاشی کام نہیں کروں گا۔ مگر یہاں آپ ان موشگافیوں میں نہیں پڑتے۔ بلکہ ایک عملی انسان کی طرح پہلا موقع ملتے ہی اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن جب اسلام کا اور آخرت کا معاملہ آتا ہے تو موشگافیاں کر کے سوالات پیدا کرتے ہیں اور ان کا جواب چاہتے ہیں۔ یہ تضاد بتاتا ہے کہ اس قسم کے تمام سوالات بالکل غیر فطری ہیں۔ موجودہ دنیا کا ڈھانچہ

حقائق کی بنیاد پر بنا ہے۔ یہاں کامیابی اس کے لئے ہے جو ایک عملی انسان کی طرح حقائق کی پیروی کرے۔ جو شخص موشگافیوں میں الجھے اس کے لئے یہاں بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

ایک نوجوان نے بی اے کیا۔ مگر اپنے قریب اس کو کوئی ملازمت نہیں ملی۔ اس نے طے کیا کہ وہ باہر کے کسی شہر میں جائے اور وہاں اپنے لئے روزگار تلاش کرے۔ بالآخر ایک روز صبح کو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں بمبئی جا رہا ہوں۔ اب میں اس وقت تک نہیں آؤں گا جب تک اپنے لئے کوئی کام حاصل نہ کر لوں۔

دادی نے کہا آج شنبہ ساعت نہیں ہے۔ تم کو جانا ہی ہے تو کسی اور دن جانا۔ ماں نے کہا کہ آج کل ریلوے میں ایکسیڈنٹ کی خبریں آ رہی ہیں، آج کل اتنا لمبا سفر کرنا ٹھیک نہیں۔ باپ نے کہا کہ بمبئی میں ان دنوں برسات کا موسم چل رہا ہے اور وہاں برسات کے موسم میں کام بہت کم ہو جاتا ہے۔ چھوٹے بھائی نے کہا کہ آپ چلے جائیں گے تو محلہ کے لڑکے ہم کو ماریں گے۔ آپ کی وجہ سے وہ سب ڈرتے تھے۔ نوجوان اگر اپنے گھر والوں کی ان باتوں پر دھیان دیتا تو ان میں سے ہر بات اس کو سفر سے روکنے کے لئے کافی تھی۔ مگر اس نے ان میں سے کسی بات پر سرے سے غور ہی نہیں کیا۔ اس نے سب باتوں کو نظر انداز کر کے صرف ایک بات اپنے سامنے رکھی: مجھے بمبئی جانا ہے اور وہاں اپنے لئے روزگار حاصل کرنا ہے۔ وہ سب کو سلام کر کے تیزی سے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور ٹرین میں سوار ہو کر بمبئی پہنچ گیا۔ بمبئی میں اس کو اتنے سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا جو اس کے گھر والوں کے بدترین اندیشوں سے بھی کہیں زیادہ تھے۔ تاہم اس کے عزم اور اس کی جد و جہد نے مشکل آسان کر دی۔ آج وہ ایک بڑی تجارتی فرم میں اعلیٰ عہدہ پر ہے اور اپنے گھر والوں کو لے کر ایک شاندار مکان میں کامیاب زندگی گزار رہا ہے۔

یہی مثال ہر معاملہ پر صادق آتی ہے حتیٰ کہ دینی معاملات پر بھی۔ اللہ تعالیٰ نے موجودہ دنیا کو کچھ اس ڈھنگ پر بنایا ہے کہ یہاں ہر کام میں موافق امکان کے ساتھ ناموافق امکان چھپا ہوا ہے۔ ہر یقین کے ساتھ ایک شبہ کا پہلو لگا ہوا ہے۔ مزید یہ کہ انسان کی عقل تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کے لئے قطعاً ناکافی ہے۔ کوئی آدمی اگر اس پر اصرار کرے کہ وہ سارے پہلوؤں کو عقل کی گرفت میں لانے کے بعد اس کی طرف اقدام کرے گا تو ایسا شخص کبھی کوئی اقدام نہیں کر سکتا۔ ہر آدمی کو لازماً یہ کرنا پڑتا ہے کہ کسی معاملہ میں جب وہ بنیادی پہلوؤں کے اعتبار سے مطمئن ہو جاتا ہے تو وہ اپنا دماغ غیر ضروری بحثوں میں نہیں الجھاتا۔ وہ بے شمار غیر حل شدہ پہلوؤں کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ آدمی اگر ایسا نہ کرے تو موجودہ دنیا میں وہ کسی بھی قسم کا کوئی کام نہیں کر سکتا۔

یہی بات قرآن سے ہدایت لینے کے لئے بھی درست ہے۔ قرآن بلاشبہ ہدایت کی کتاب ہے۔ اس میں روشنی اور سکون ہے۔ مگر جو شخص قرآن کا طالب ہو اس کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ وہ آخرت کی دنیا میں نہیں اتری ہے بلکہ ہماری موجودہ دنیا میں اتری ہے جو امتحان اور آزمائش کی دنیا ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے والا اپنی اس محدود عقل کے ساتھ اس کا مطالعہ کر رہا ہے جو موجودہ دنیا میں اس کو حاصل ہے نہ کہ اس عقل سے جو اس کو آخرت کے لامحدود عالم میں

حاصل ہوگی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ ہے کہ قرآن میں آدمی کو اگر ایسی باتیں ملیں جو سمجھ میں آتی ہوں تو اسی کے ساتھ اس کے سامنے ایسی باتیں آئیں جو بظاہر سمجھ میں نہ آرہی ہوں۔ اگر اس کو یقین کے صفحات پڑھنے کو ملیں تو اسی کے ساتھ وہ ایسے صفحات بھی پڑھے جو کہ یدنے والے ذہن کو بے یقینی میں مبتلا کرنے والے ہوں۔ موجودہ عقل اور موجودہ دنیوی حالات کی بنا پر ایسا ہونا بالکل فطری ہے۔ کیونکہ یہی تو آدمی کا امتحان ہے۔ دنیوی کامیابی اس بات کا امتحان ہے کہ وہ کون شخص ہے جو راستہ کے "کانٹوں" کو نظر انداز کرکے آگے بڑھ جاتا ہے اور وہ کون شخص ہے جو "کانٹوں" میں الجھ کر اپنے سفر کو کھوٹا کر لیتا ہے۔ اسی طرح اخروی کامیابی بھی اس بات کا امتحان ہے کہ حقیقی عقلمند اور جھوٹے عقلمند کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے۔ حقیقی عقلمند وہ ہے جو بے فائدہ سوالات میں نہ الجھے اور تمام ناموافق باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے آخرت کی طرف اپنے سفر کو جاری رکھے۔ اس کے برعکس جھوٹا عقلمند وہ ہے جو بے فائدہ موشگافیوں کو حل کرنے میں لگا رہے، جو اس پر اصرار کرے کہ وہ مکمل عقلی اطمینان کے بعد قرآن کو قرآن سمجھے گا۔ ایسا آدمی کبھی قرآن کو نہیں پا سکتا ——— شبہات کے باوجود یقین کا درجہ حاصل کرنا ہی کسی آدمی کو کامیاب بناتا ہے، موجودہ دنیا میں بھی اور آخرت کی دنیا میں بھی۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ موجودہ دنیا میں التباس (انعام ۹) کا قانون جاری ہے۔ یعنی یہاں حقیقتوں کو کھولنے کے باوجود ان کے اوپر شبہ کا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ آدمی کا امتحان یہ ہے کہ وہ شبہات میں نہ پڑے بلکہ عقل سے صحیح کام لیتے ہوئے حقائق کو اپنی روح کی غذا بنائے۔ اگر آدمی یہ اصرار کرے کہ شبہات کا پردہ اس کے لئے پھٹ جائے اور وہ "مکمل عقلی اطمینان" کے ساتھ حقیقتوں کو پا سکے تو ایسا مکمل عقلی اطمینان یہاں کبھی ممکن نہ ہوگا۔ اس قسم کا عقلی اطمینان تلاش کرنے والے کے لئے اس دنیا میں بھٹکنے اور برباد ہونے کے سوا کوئی دوسرا انجام نہیں۔ ایسے مزاج کے تحت یہاں نہ کوئی لادینی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی دینی کامیابی۔ جو چیز خدا نے اپنی دنیا میں نہ بنائی ہو وہ آپ اس کی دنیا میں حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ قدرت کے نظام سے صرف مطابقت کر سکتے ہیں، اس کے خلاف اپنی راہ نہیں بنا سکتے۔

ایک طالب علم امتحان ہال میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے سامنے امتحان کا پرچہ آتا ہے۔ پرچہ میں ایک مسئلہ مبہم شکل میں درج ہے۔ وہ اس طرح واضح صورت میں درج نہیں جیسا کہ ایک باقاعدہ کتاب میں ہوتا ہے۔ اب اگر وہ مطالبہ کرے کہ امتحان کا پرچہ مبہم شکل میں لینا مجھے منظور نہیں۔ میں تو اس کو اس وقت لوں گا جب کہ وہ مجھے کتاب کی سی واضح صورت میں ملے تو ایسا مطالبہ کبھی منظور نہیں کیا جائے گا۔ قرآن کی مثال بھی جزئی طور پر اسی قسم کی ہے۔ قرآن بلاشبہ کتاب ہدایت ہے مگر اسی کے ساتھ وہ ہمارے امتحان کا پرچہ بھی ہے۔ ہمیں قرآن سے رہنمائی بھی حاصل کرنا ہے اور اسی کے ساتھ یہ ثبوت بھی دینا ہے کہ ہم غیب کا پردہ باقی رہتے ہوئے خدا کو پا سکتے ہیں۔ شبہات کا غبار رہتے ہوئے بھی یقین کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں۔ حقیقت سے دور ہوتے ہوئے بھی اس سے قربت کا تجربہ کر سکتے ہیں۔ یہی تو آدمی کا امتحان ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو امتحان کس بات کا ہوگا۔

موت جب آتی ہے

جے۔ اے۔ دیو ۱۹۲۳ء میں شملہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے نہایت محنت سے تعلیم حاصل کی۔ بالآخر انھوں نے آئی۔ اے۔ ایس کا امتحان پاس کیا۔ وہ مزید تعلیم کے لئے برطانیہ بھی گئے۔ اس کے بعد ان کو حکومت میں اچھی ملازمت مل گئی۔ جولائی ۱۹۷۹ میں وہ اپنی اعلیٰ ترین ترقی کے منصب پر پہنچ گئے جب کہ ان کو ڈیفنس سکریٹری کے عہدہ پر مقرر کیا گیا۔ مگر اس ترقی پر ان کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ ۱۰ اپریل ۱۹۸۰ کو ۵۷ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ۱۱ اپریل کو مسٹر دیو کا جسم نگم بودھ گھاٹ پر اس وقت جلا دیا گیا جب کہ ہندوستانی فوج کے تینوں سپہ سالار ان کے اظہار عقیدت کے لئے گھاٹ پر موجود تھے۔ بری اور بحری اور ہوائی فوجوں کے اعلیٰ ترین افسران جو ساٹھ کروڑ انسانوں کے اس ملک پر کسی بھی حملہ کو پسپا کرنے کی پوری طاقت رکھتے تھے وہ اپنے حاکم اعلیٰ کو موت کے حملہ کا شکار ہونے سے بچانے کے لئے بے بس ہو گئے۔

اس سے بھی زیادہ عبرت ناک مثال وہ ہے جو سنجے گاندھی کے ساتھ پیش آئی ہے۔

۱۹۸۰ میں مرکزی پارلیمنٹ اور ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات میں اندرا گاندھی اور ان کے بیٹے سنجے گاندھی کی پارٹی کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد عام طور پر سمجھا جانے لگا کہ اب سنجے گاندھی ہندوستان کے وزیر اعظم ہوں گے۔ مگر وزارت عظمیٰ کی عین چوکھٹ پر پہنچ کر اچانک ۳۴ سال کی عمر میں ان کا خاتمہ ہوگیا۔ ۲۳ جون ۱۹۸۰ کی صبح کو سنجے گاندھی ایک نئے امریکی ہوائی جہاز میں تفریحی سواری (Joy Ride) کے لئے نکلے۔ ان کا دو سیٹوں کا جہاز صفدر جنگ کے ہوائی اڈے سے اڑکر ابھی فضا میں پہنچا ہی تھا کہ اچانک اس کے انجن نے کام کرنا بند کر دیا اور دھماکہ کے ساتھ زمین پر گر پڑا۔ جہاز کے ملبہ سے اس کے دونوں مسافر (سنجے گاندھی اور کیپٹن سکسینا) مردہ اور کچلی ہوئی حالت میں باہر نکالے گئے۔ سنجے گاندھی کو اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ حادثہ سے صرف ایک دن پہلے دہلی کے لفٹننٹ گورنر مسٹر جگ موہن کے ساتھ کار پر سفر کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا: "پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ کار ہو یا ہوائی جہاز، ڈھیل پر اگر میں ہوں تو کچھ بھی نہیں ہوگا"۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ اگلے دن آنے والی صبح صرف اس لئے آرہی ہے کہ ان کے اس اعتماد کی ہمیشہ کے لئے تردید کر دے۔

اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔ ٹائمس آف انڈیا (۲۴ جون ۱۹۸۰) نے اس سلسلے میں جو اداریہ شائع کیا ہے اس میں اولاً ان شاندار امکانات کا ذکر کیا ہے جن کے بالکل کنارے سنجے گاندھی پہنچ تھے۔ اس کے بعد وہ لکھتا ہے: قسمت کی کیسی ستم ظریفی ہے کہ اس کے بعد وہ اتنی جلد مرجائیں:

What an irony that he should die so soon afterwards.

آدمی دنیا میں جن کامیابیوں کے لئے اپنا سب کچھ لگا دیتا ہے ان کے بے حقیقت ہونے کا یہی ایک کافی ثبوت ہے۔ عین اس وقت جب کہ وہ اپنی ترقی کے عروج پر پہنچ چکا ہوتا ہے، موت اس کے اور اس کی کامیابیوں

کے درمیان حائل ہو جاتی ہے، گویا کہ وہ اس کامیابی کی نفی کر رہی ہو جس کو آدمی اپنے لئے کامیابی سمجھ کر اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

آدمی زندگی چاہتا ہے مگر بہت جلد اس کو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں صرف موت ہے جو اس کا استقبال کرنے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ ۲۴ جون کی شام کو ایک طرف شانتی ون میں سنجے گاندھی کا مردہ جسم جلایا جا رہا تھا، دوسری طرف وہاں کھڑے ہوئے ان کے ہزاروں معتقدین یہ نعرہ لگا رہے تھے:

جب تک سورج چاند رہے، سنجے تیرا نام رہے۔

انسان "سورج چاند کے رہنے تک" زندہ رہنا چاہتا ہے مگر موت اس قدر بے رحمی کے ساتھ اس کو اس دنیا سے اٹھا لیتی ہے جیسے اس کے نزدیک نہ انسان کی کوئی اہمیت ہے اور نہ اس کی خواہشوں کی۔

انسان اپنی عظمت کا قلعہ تعمیر کرتا ہے مگر موت کا طوفان اس کو تنکوں کی طرح اڑا کر یہ سبق دیتا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں کوئی قدرت حاصل نہیں۔ انسان کہتا ہے کہ میں اپنا مالک ہوں مگر تقدیر اس کو کچل کر بتاتی ہے کہ تیرا مالک کوئی اور ہے۔ انسان موجودہ دنیا میں اپنی آرزوؤں کا باغ اگانا چاہتا ہے مگر موت اس کے منصوبہ کو مٹا کر یہ سبق دیتی ہے کہ اپنے لئے دوسری دنیا تلاش کرو کیونکہ موجودہ دنیا میں تمہاری آرزوؤں کی تکمیل ممکن نہیں۔

زندگی کا سب سے بڑا سبق وہ ہے جو موت کے ذریعہ ملتا ہے۔ موت ہماری زندگی کی سب سے بڑی معلم ہے۔ موت ہر آدمی کو ایک ایسے سوال کے بارہ میں سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے جس کے جواب میں زندگی کا تمام راز چھپا ہوا ہے۔ موت ہم کو بتاتی ہے کہ ہم اپنے مالک آپ نہیں ہیں۔ موت ہم کو بتاتی ہے کہ موجودہ دنیا میں ہماری زندگی محض عارضی زندگی ہے۔ موت ہم کو بتاتی ہے کہ موجودہ دنیا وہ مقام نہیں جہاں ہم اپنی تمناؤں کو حاصل کرنے کی امید کر سکیں۔ موت دراصل زندگی کا پیغام ہے۔ موت ہم کو جینا سکھاتی ہے۔ موت ہم کو بتاتی ہے کہ اپنی حقیقی زندگی کی تعمیر کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

موت انسانی زندگی کا سب سے زیادہ عبرت ناک واقعہ ہے۔ وہ آدمی کو آسمان میں اٹھا کر زمین پر گرا دیتی ہے۔ وہ آدمی کو زمین پر ختم کر کے اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیتی ہے۔ موت کے سامنے ہر آدمی بالکل بے بس ہے۔ موت کے سامنے کسی بھی شخص کی کوئی قیمت نہیں۔ یہ واقعہ ہماری زمین پر روزانہ لاکھوں کی تعداد میں پیش آتا ہے۔ مگر انسان غفلت کی ایسی شراب پیے ہوئے ہے کہ اس کے باوجود اس کی مدہوشی ختم نہیں ہوتی۔ آدمی دوسرے کو مٹانے کا منصوبہ بناتا ہے حالاں کہ موت خود اس کو مٹانے کے لئے اس کے پیچھے کھڑی ہوئی ہے۔ آدمی دوسرے کو برباد کرنے کی سازشیں کرتا ہے حالاں کہ اپنی سازش کی تکمیل سے پہلے وہ خود موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ آدمی دوسرے کا اعتراف نہیں کرتا، وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح وہ اپنی بڑائی کا تحفظ کر رہا ہے۔ حالاں کہ اگلے ہی لمحہ موت آکر اس کی بڑائی کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ انسان "خدا" بننا چاہتا ہے مگر موت اس کو بتاتی ہے کہ وہ صرف ایک بے قیمت "آدمی" ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

امت مسلمہ کی طاقت: اتحاد

قرآن میں تکمیل دین کی آیت کے تحت ارشاد ہوا ہے ـــ آج کفر کرنے والے لوگ تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے، اب تم ان سے نہ ڈرو بلکہ صرف مجھ سے ڈرو (مائدہ ۳) یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر ۹ھ میں نازل ہوئی۔ اس کے تقریباً ڈھائی ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اور اصحاب رسول کی جدوجہد کے بعد اسلام کی تاریخ جہاں پہنچ چکی ہے وہ اتنی مضبوط ہے کہ اسلام اب اپنی ذاتی بنیادوں پر قائم ہو گیا ہے۔ اب اسلام بیرونی خطرات کی زد سے نکل گیا ہے، اب اس کے لئے خطرہ ہو سکتا ہے تو اندر کی طرف سے نہ کہ باہر کی طرف سے۔

مذکورہ آیت میں امت مسلمہ کے لئے اللہ کا یہ کھلا ہوا وعدہ ہے کہ اب اس کے لئے تشویش کی بات یہ نہیں ہے کہ اس کے اوپر اس کے دشمن غلبہ پالیں۔ بلکہ تشویش کی بات یہ ہے کہ امت کے افراد میں اللہ کا ڈر باقی نہ رہے۔ اب مسلمانوں کے لئے کمزوری کی بات خوف خدا کا نہ ہونا ہے نہ کہ کسی خارجی قوت کے مقابلہ میں ان کا کمزور ہونا۔ یہ اعتقادی بات نہیں ہے بلکہ وہ معلوم حقائق پر مبنی ہے۔ مسلمانوں کے معاملہ کو اللہ نے یہاں تک پہنچایا کہ زمین کے بڑے رقبہ پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ وہ اس اندیشہ سے باہر نکل گئے کہ محض تعداد کی کمی کی وجہ سے وہ کسی کے مقابلہ میں شکست کھا سکیں۔ ان کے پاس بہترین اقتصادی خطے ہیں۔ انتہائی اہم فوجی مقامات پر ان کا قبضہ ہے۔ ہر قسم کی صلاحیتوں والے افراد رات دن ان کے یہاں پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کو ایک ایسی کتاب حاصل ہے جو ان کو ساری دنیا میں فکری برتری عطا کر سکے۔ ان کی تاریخ اتنی شاندار ہے جو قیامت تک ان کی نسلوں کو جوش و ولولہ کی خوراک دینے کے لئے کافی ہے۔

جس قوم کے پاس برتری کے اتنے اسباب جمع ہو جائیں باہر کی کوئی قوم اس کو زیر کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی، الا یہ کہ اس نے اپنی حماقت سے اپنے کو کمزور کر لیا ہو۔ اور یہ حماقت دراصل اندرونی اختلاف ہے قوم کے افراد جب اللہ سے ڈرنے والے ہوں تو وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ وہ انصاف کے ساتھ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ پورا معاشرہ حسد اور بغض کی نفسیات سے پاک ہوتا ہے۔ اور جس معاشرہ کا یہ حال ہو اس میں باہمی اتحاد کے سوا کیا چیز جنم پائے گی۔ اس کے برعکس جب قوم کے افراد اللہ سے بے خوف ہو جائیں تو ہر ایک دوسرے کی کاٹ میں لگ جاتا ہے۔ ہر آدمی خود غرضی کے خول میں سمٹ جاتا ہے۔ بدخواہی، انتقام اور حسد سے پورا معاشرہ کھوکھلا ہو جاتا ہے ـــــ اللہ کا ڈر اتحاد کی فضا پیدا کرتا ہے جو سب سے بڑی طاقت ہے۔ اللہ سے نڈر ہو جانا اختلاف پیدا کرتا ہے اور جو قوم باہمی اختلافات کی شکار ہو جائے وہ لازماً کمزور ہو جاتی ہے خواہ اس کی تعداد بظاہر کتنی ہی زیادہ ہو۔

دو مسلمان مل کر ایک کام شروع کرتے ہیں۔ اس کے بعد کسی وجہ سے دونوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اب اگر دونوں خاموشی سے اپنے کام کو الگ کر لیں اور اپنی کوششوں کو جاری رکھنے کے لئے الگ الگ میدان تلاش کر لیں تو اس سے معاشرہ میں کوئی خرابی یا کمزوری پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اگر ایسا ہو کہ ایک دوسرے کی کاٹ میں لگ جائے تو دونوں کے تعلقات میں فساد پیدا ہو جاتا ہے جو بالآخر معاشرہ کی کمزوری کا باعث ہوتا ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے یہاں نکاح کا پیغام دیتا ہے۔ دوسرا مسلمان کسی وجہ سے پیغام قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اب اگر پہلا مسلمان اس سے کوئی برا اثر نہ لے اور اپنے لئے کوئی دوسرا رشتہ ڈھونڈ لے تو معاشرہ کسی خرابی کا شکار نہیں ہوتا، اس کے برعکس اگر پہلے مسلمان کے اندر دوسرے مسلمان کے خلاف دشمنی کی آگ بھڑک اٹھے۔ وہ اس کے خلاف جھوٹے مقدمے قائم کرے اور اس کی بربادی کے منصوبے بنائے تو دو مسلمان خاندان نامعلوم مدت کے لئے ایک دوسرے سے کٹ جائیں گے اور نتیجۃً پورے معاشرہ میں بگاڑ پھیل جائے گا۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عمارت میں کرایہ دار ہے۔ مالک مکان کو کرایہ دار سے کوئی شکایت ہو گئی۔ اب اگر مالک مکان وسعت ظرف کا طریقہ اختیار کرے تو دونوں کے تعلقات میں کوئی بگاڑ نہیں آئے گا اور ملت کا اتحاد قائم رہے گا۔ اس کے برعکس اگر مالک مکان یہ کرے کہ کرایہ دار کو اکھاڑنے کے لئے اس کو بدنام کرے۔ اس کے خلاف تخریبی منصوبے بنائے۔ اس کو ذلیل کرنے کی کوشش کرے تو یہ ملت کے قلعہ میں نقب لگانے کے ہم معنی ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ لوگ کرایہ دار کا ساتھ دیں گے اور کچھ لوگ مالک مکان کا۔ ملت دو جتھوں میں بٹ جائے گی۔ ملت کی جو طاقت ملت کی ترقی و استحکام میں لگتی وہ ملت کی بربادی میں صرف ہونے لگے گی۔

یہ چند مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح ملت کے افراد ایک رویہ اختیار کر کے اپنے کو طاقت ور بناتے ہیں اور دوسرا رویہ اختیار کر کے اپنے کو اور بالآخر پوری ملت کو کمزور کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ اس قسم کی تمام کمزوریوں کی واحد وجہ اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہونا ہے۔ اگر آدمی اللہ سے ڈرے تو وہ ایسے الفاظ اپنی زبان سے نہیں نکالے گا جو اللہ کے یہاں بے قیمت ہو جانے والے ہیں۔ وہ ایسے عمل نہیں کرے گا جو اللہ کی میزان میں جرم ثابت ہونے والے ہیں۔ ہر آدمی اپنی غلطی کو تسلیم کرے گا۔ ہر آدمی دوسرے کو تکلیف دینے سے بچے گا اور جس معاشرہ میں یہ فضا ہو وہاں لازماً اتحاد فروغ پاتا ہے اور اتحاد ہی کا دوسرا نام طاقت ہے۔

آدمی دوسرے کی بربادی کے منصوبے بناتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ اس سے پہلے کہ دوسرے کے خلاف اس کے ارادے پورے ہوں خود اس کی موت کا وقت آجائے گا۔ وہ دنیا سے اٹھا کر آخرت میں پہنچا دیا جائے گا۔ وہاں اس کو جواب دینا ہوگا کہ خدا نے اس کو جو کچھ دیا تھا وہ خدا کی امانت تھا۔ اس کو کیا حق تھا کہ ان کو خدا کے بندوں کی بربادی کے لئے استعمال کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اگر صرف موت کو یاد رکھے تو وہ اس کی اصلاح کے لئے کافی ہو۔

آپ کس پیغام کے ساتھ بھیجے گئے

ابو نجیح عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسلام سے پہلے بھی میرا یہ احساس تھا کہ لوگ گمراہی پر ہیں۔ بتوں کی پرستش جس میں وہ لگے ہوئے ہیں اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ پھر میں نے سنا کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو آسمانی باتیں بتاتا ہے۔ میں اپنی سواری پر بیٹھ کر وہاں پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپ کر تبلیغ کرتے ہیں اور آپ کی قوم آپ پر بہت جری ہو گئی ہے۔ مکہ میں جب میں آپ سے ملاقات میں کامیاب ہو گیا تو میں نے پوچھا: ما انت (آپ کون ہیں) آپ نے فرمایا۔ انا نبیٌّ (میں نبی ہوں) میں نے پوچھا نبی کس کو کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھ کو اللہ نے بھیجا ہے۔ میں نے پوچھا کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا:

ارسلنی بصلۃ الارحام وکسر الاوثان مجھ کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ رشتوں کو جوڑا جائے وان یوحد اللہ لا یشرک بہ شیئٌ (مسلم) اور بتوں کو توڑا جائے۔ اور اللہ کو ایک سمجھا جائے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

نصیحت عمومی انداز میں

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی کے بارے میں کوئی ایسی بات معلوم ہوتی جو آپ کو ناگوار ہو تو آپ یہ نہ کہتے کہ "فلاں شخص کو کیا ہو گیا ہے کہ اس نے ایسا کہا" بلکہ یوں فرماتے: ما بال اقوام یصنعون او یقولون کذا لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں یا ایسا کہتے ہیں۔ اس طرح عمومی انداز میں روکتے۔ مگر کسی کا نام نہ لیتے۔ (کتاب الشفاء از قاضی عیاض، صفحہ ۸۹)

وہ لوگوں کے اسلام کے سب سے زیادہ حریص تھے

حضرت عبداللہ بن عباس قرآن کے بہت بڑے عالم تھے۔ قرآنی مضامین کی گہرائیوں تک پہنچنے کی ان کے اندر غیر معمولی صلاحیت تھی۔ ایک بار انھوں نے سورہ بقرہ کی تفسیر اپنے مخصوص انداز میں بیان کی۔ اس کو سن کر حاضرین میں سے ایک شخص بول اٹھا: لو سمع ھذا الدیلم لاسلمت (دیلم کے کفار بھی اگر اس کو سنیں تو ضرور اسلام قبول کر لیں)۔

آخرت کی بات رسول کے لئے اہم، ابولہب کے لئے غیر اہم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دعوت عام کا حکم ہوا تو آپ نے صفا کے ٹیلے پر کھڑے ہو کر مکہ والوں کو پکارا۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: لوگو: میں تم کو آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہوں (انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید) ابولہب نے یہ سن کر کہا۔ تبا لک سائر الیوم اما دعوتنا الا لھذا (سیرت ابن کثیر) سارے دن تمہارا برا ہو۔ کیا یہی بات بتانے کے لئے تم نے ہم کو بلایا تھا۔

مدعو کو حقیر نہ سمجھنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس ہوئے تو سخت زخمی ہو چکے تھے۔ راستہ میں آپ نے انگور کے ایک باغ

میں پناہ لی۔ یہ باغ مکہ کے ایک سردار ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ یہ دونوں اس وقت باغ میں تھے۔ انھوں نے آپ کی حالت دیکھ کر اپنے نصرانی غلام عداس کے ہاتھ کچھ انگور آپ کے پاس بھیجے۔ آپ نے اس کو کھانا شروع کیا تو کہا "بسم اللہ"۔ عداس کو یہ بات عجیب لگی۔ آپ نے اس سے پوچھا "تم کہاں کے رہنے والے ہو" اس نے کہا "نینوی کا"۔ آپ نے فرمایا: اس بھلے آدمی کے شہر کے جس کا نام یونس بن متی تھا"۔ اس نے کہا "آپ کو یونس بن متی کی خبر ہے"۔ آپ نے اس کو قرآن کا وہ حصہ سنایا جو حضرت یونس علیہ السلام کے بارہ میں آپ پر نازل ہوا تھا: وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحقر احدا یبلغہ رسالات اللہ تعالیٰ (ابونعیم فی دلائل النبوۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو اللہ کا پیغام پہنچاتے اس کو کبھی حقیر نہیں سمجھتے تھے۔

بے آمیز سچائی لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی اتری تو آپ گھبرائے ہوئے مکان واپس آئے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے فرمایا: مجھے ایسا محسوس ہوا گویا میری جان نکل جائے گی (لقد خشیت علی نفسی) خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، وہ نصرانی ہو گئے تھے اور انبیاء کی تاریخ اور قدیم آسمانی کتب کا مطالعہ کیا تھا۔ آپ کے حالات سن کر انھوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم اس امت کے نبی ہو۔ تمہارے پاس وہی فرشتہ آیا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا تھا اور تمہاری قوم تم کو جھٹلائے گی، تم کو تکلیف دے گی، تم کو وطن سے نکالے گی، تم سے جنگ کرے گی"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: او مخرجی ھم (کیا وہ مجھے نکال دیں گے) ورقہ بن نوفل نے کہا ہاں، جو پیغام تم لے کر آئے ہو، یہ پیغام جب بھی کوئی لے کر آیا ہے تو لوگ اس کے دشمن ہو گئے ہیں۔ اور اس سے لڑائی کی ہے۔

مدعو کی زبان میں کلام کرنا

ابوالبختری کہتے ہیں۔ ایران سے جنگ کے زمانہ میں ایک لشکر کے امیر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا۔ لشکر والوں نے کہا: اے ابوعبداللہ! کیوں نہ ہم ان پر حملہ کر دیں۔ سلمان فارسی رضی نے کہا مجھے موقع دو کہ میں ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کروں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔ سلمان فارسی نے اہل قلعہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا: میں بھی تمہارے جیسا ایک فارسی ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ عربی لوگ کس طرح میری اطاعت کر رہے ہیں۔ تم اسلام لے آؤ۔ جو ہمارے لئے ہوگا وہی تمہارے لئے ہوگا۔ جو ہمارے لئے نہ ہوگا وہ تمہارے لئے بھی نہ ہوگا (ان اسلمتم فلکم مثل الذی لنا وعلیکم مثل الذی علینا) اور اگر تم اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو جزیہ ادا کرو۔ اگر تم اس سے بھی انکار کرو گے تو ہم تم سے جنگ کریں گے۔ قال ورطن الیھم بالفارسیۃ (احمد) ابوالبختری کہتے ہیں کہ یہ بات انھوں نے فارسی زبان میں کہی۔

اصلاح سے مایوس ہو کر بد دعا کرنا درست نہیں

طفیل بن عمرو دوسی زیارت کعبہ کے لئے مکہ آئے۔ قریش کے کچھ لوگوں نے ان سے کہا "دیکھو تم ہمارے شہر میں آئے ہو۔

یہ آدمی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے دین سے الگ ہوگیا ہے۔ اس نے ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دی ہے۔ اس کی باتوں میں جادو ہے۔ وہ باپ بیٹے میں اور بھائی بھائی میں جدائی کر دیتا ہے۔ ہم کو ڈر ہے کہ اس نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہی تمہارے ساتھ بھی نہ کرے۔ تم اس سے بات نہ کرنا نہ اس کا کلام سننا۔" طفیل بن عمرو دوسی رض کہتے ہیں کہ میں بیت اللہ میں گیا تو میں نے اپنے کان میں روئی ڈال لی کہ اس آدمی کی بات میرے کان میں نہ پڑے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ آخر میں بھی تو سمجھ رکھتا ہوں۔ مجھ سے کسی کلام کا حسن و قبح چھپ نہیں سکتا کیوں نہ میں اس کی بات سنوں۔ اگر معقول ہوگی تو مان لوں گا۔ اور اگر نامعقول ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ انھوں نے مجھ کو قرآن سنایا: فواللہ ما سمعت قولا قط احسن ولا امرا اعدل منہ (خدا کی قسم وہ کلام ایسا تھا کہ میں نے اتنا اچھا اور اتنا منصفانہ کلام کبھی نہیں سنا تھا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا اور واپس آکر اپنی قوم میں تبلیغ کرنے لگا۔ مگر اس وقت میری تبلیغ سے صرف ایک شخص (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) اسلام لائے۔ میں دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور قوم کی سرکشی کا ذکر کر کے درخواست کی کہ آپ ان کے حق میں بددعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اللّٰھم اھد دوسا (خدایا قبیلہ دوس کو ہدایت دے) میں نے کہا اے خدا کے رسول! میرا یہ منشا نہ تھا۔ آپ نے فرمایا: اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ ان کو اسلام کی دعوت دو اور نرمی کا معاملہ کرو: ان فیھم مثلک کثیرا (ابن عبد البر فی الاستیعاب) ان میں تمہارے جیسے بہت ہوں گے۔

اچھی بات سب سے بڑی دین ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما افاد المسلم اخاہ فائدۃ احسن من حدیث حسن بلغہ فبلغہ کوئی مسلمان اپنے بھائی کو اس سے اچھا فائدہ نہیں پہنچا سکتا کہ اس کو ایک اچھی بات ملی اور وہ اس نے اپنے بھائی کو پہنچا دی (جامع بیان العلم وفضلہ۔ ۴۳)

دوسروں کا احتساب کرنے کے بجائے اپنا احتساب

حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول، میرے لئے کوئی ایسی چیز ٹھہرا دیجئے جس کے ساتھ میں جیوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حمزہ، کسی جان کو زندگی دینا تمھیں زیادہ پسند ہے یا کسی جان کو مار ڈالنا۔ انھوں نے کہا کہ کسی کی جان کو زندگی دینا مجھے زیادہ پسند ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہارے اوپر صرف تمہاری اپنی ذمہ داری ہے۔ (قال الامام احمد جاء حمزۃ بن عبد المطلب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ اجعلنی علی شیئ اعیش بہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حمزۃ نفس تحییھا احب الیک ام نفس تمیتھا قال بل نفس احییھا قال علیک بنفسک، تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۵۱۰)

کشادہ چہرہ کے ساتھ ملو اور نرم بات بولو

ابن عمر رض نے کہا: نیکی آسان ہے ـــــ کشادہ رو اور نرم بات (البر شیئ ھین: وجہ طلق وکلام لین)

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیار اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دل چسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

عربی مطبوعات

مولانا وحید الدین خاں کی کتابوں کے بعض عربی ترجمے (مطبوعہ قاہرہ) برائے فروخت مکتبہ الرسالہ میں موجود ہیں:

۱- الإسلام يتحدى	۲۶۳	صفحات	قیمت ۲۰ روپے
۲- الدين في مواجهة العلم	۱۱۲	صفحات	〃 ۱۰ روپے
۳- حكمة الدين	۸۷	صفحات	〃 ۸ روپے
۴- الإسلام والعصر الحديث	۷۷	صفحات	〃 ۸ روپے
۵- مسئوليات الدعوة	۳۹	صفحات	〃 ۲ روپے
۶- نحو تدوين جديد للعلوم الإسلامية	۲۶	صفحات	〃 ۲ روپے
۷- إمكانات جديدة للدعوة	۳۴	صفحات	〃 ۲ روپے
۸- الشريعة الإسلامية وتحديات العصر	۳۲	صفحات	〃 ۲ روپے
۹- المسلمون بين الماضي والحال والمستقبل	۷۲	صفحات	〃 ۵ روپے
۱۰- نحو بعث إسلامي	۳۲	صفحات	〃 ۵۰ پیسے

اسلام کا تعارف

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۲۴، قیمت ۰/۵۰

اسلام

ایک عظیم جدوجہد

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۸۰ قیمت ۱/۶۰

مکتبہ الرسالہ

جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

سوشلزم

ایک غیر اسلامی نظریہ

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۷۲ - قیمت ۱/۲۵

مارکسزم

تاریخ جس کو رد کر چکی ہے

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۱۴۸ قیمت ۳/۰۰

مکتبہ الرسالہ

جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

انسان اپنے آپ کو پہچان

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۲۴ قیمت ۷۵ پیسے

مکتبہ الرسالہ جمعیتہ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

پندرہ روزہ

ترجمان

کتاب وسنّت کا داعی ونقیب

زرتعاون سالانہ پندرہ روپے

دفتر اخبار ترجمان

پوسٹ بکس نمبر 1306 دہلی ـــ ۶

حقیقت کی تلاش

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۶۰ ـ قیمت ایک روپیہ

دین کی سیاسی تعبیر

(تعبیر کی غلطی کا خلاصہ)

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۷۰ قیمت ــ/۲

مکتبہ الرسالہ

عازمین حج کے لیے ایک ضروری اور نادر کتاب

کتاب الحج

از :ـــ مولانا عبدالحمید خاں

"کتاب الحج" عازمین سفر، حج وعمرہ کے لیے نہایت عمدہ کتاب ہے۔ جس میں فاضل مولف نے وہ تمام باتیں جمع کردی ہیں جن کا جاننا ہر حاجی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

- خانۂ کعبہ کی تاریخ۔
- حج کی فرضیت۔
- حج کی فضیلت ومقاصد۔
- سفر حج کی ضروریات۔
- حج کی ادائیگی کا طریقہ۔
- مقدس مقامات کے نقشے
- مسنون دعائیں
- روزمرہ کی عربی بول چال
- دعا کے آداب۔

ہدیہ: ۷/ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

- **دین کیا ہے**
  صفحات ۳۲ قیمت ۱/۵۰ روپے
- **تجدیدِ دین**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **مذہب اور جدید چیلنج**
  صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۳/۵۰ روپے
- **تعمیرِ ملت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **الاسلام**
  صفحات ۱۷۶ قیمت ۱۲/- روپے
- **اسلام دینِ فطرت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **ظہورِ اسلام**
  صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲/- روپے
- **زلزلۂ قیامت**
  صفحات ۶۴ قیمت ۳/- روپے
- **اسلامی دعوت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **تاریخ کا سبق**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **عقلیاتِ اسلام**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **قرآن کا مطلوب انسان**
  صفحات ۸۰ قیمت ۴/۵۰ روپے
- **مذہب اور سائنس**
  صفحات ۷۲ قیمت ۴/-
- **پیغمبرِ اسلام**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/-
- **سبق آموز واقعات**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

مکتبہ الرسالہ جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۱۱۰۰۰۶

ثانی امین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

REGD. R. N· NO. 28822/76
REGD. D. (D.) NO. 532

August 1980
Issue No. 45

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING QASIMJAN STREET DELHI-110006 (INDIA) PHONE 232231